ڈاکٹر سرفراز احمد

مجلّہ نقوش کا تحقیقی و تنقیدی تجزیہ

A Critical Analysis of Nuqoosh Magazine

Dr. Sarfraz Ahmed, Assistant Professor, Department of Urdu, Government Science College, Lahore.

Abstract:

In 1951, Muhammad Tufail, at the age of 27, became the editor of 'Nuqoosh' and with determination, devotion and dedication made it a peerless and most shining example in the history of Urdu literary magazines. His deep love for this magzine inspired Molvi Abdul Haq to name him Muhammad Nuqoosh.

Muhammad Tufail remained the editor from 1951 till his death in 1986, for about 35 years, during that period he brought such special issues of Nuqoosh, which have become a great literary and educational treasure of permanent value for readers and research scholars.

In this essay, the publication of Nuqoosh is divided into four parts and each part has been examined critically to determine its importance and place in the realm of Urdu literature.

محمد طفیل اور ''نقوش'' کی کہانی ایک ساتھ چلتی ہے۔ دونوں اس طرح ایک ساتھ رہے کہ کسی مقام پر بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے۔ محمد طفیل نے ۱۹۵۱ء میں عین جوانی کے عالم میں نقوش کی ادارت سنبھالی۔ ستائیس اٹھائیس برس کی عمر میں اُنھوں نے اس اہم ذمہ داری کو قبول کیا اور پھر بڑی مستقل مزاجی اور تن دہی کے ساتھ اس ذمہ داری کے تقاضوں کو نبھاتے ہوئے ادبی حوالے سے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیے جن کی کم از کم ہماری ادبی دنیا میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ بابائے اُردو مولوی عبدالحق نے ان کے نقوش سے اسی قلبی تعلق کے باعث انھیں محمد نقوش کا نام دیا تھا۔ پھر یہ نام ان کی ذات سے اس طرح چپک کر رہ گیا کہ وہ آخر دم تک اس نام کو اپنی تحریروں پر ثبت کرتے رہے اور اس سے دستکش نہیں ہوئے۔

اس ضمن میں محمد طفیل کا اپنا بیان ہے:

> ''محمد نقوش'' دراصل محمد طفیل ہی کا دوسرا نام ہے۔ اسے اختیار اس لیے کیا گیا کہ اس نام سے ایک یاد وابستہ ہے اور وہ یاد ہے بابائے اُردو مولوی عبدالحق کی ــــ اس لیے کہ وہ مجھے اسی نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ مولوی صاحب کے انتقال کے بعد میں نے اس نام کو زندہ رکھنا مناسب سمجھا، محض عقیدت کے طور پر، قدرِ مشترک کوئی نہیں۔ وہ اُردو کے لیے جیتے تھے، میں اُردو کے لیے مرتا ہوں۔ وہ بابائے اُردو تھے۔ مجھے زیادہ سے زیادہ طفلِ اُردو کہا جاسکتا ہے۔ بہرحال میرے لیے یہی سب کچھ ہے کہ اُردو سے کوئی نہ کوئی نسبت میری بھی ہو۔''[1]

۱۹۵۱ء سے اپنی وفات (۱۹۸۶ء) تک وہ تقریباً ۳۵ برس نقوش کے مدیر رہے۔ اس دوران میں اُنھوں نے نقوش کے ایسے لازوال نمبر شایع کیے جو آج بھی ایک مستقل اور نادر دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں اور محمد طفیل کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھنے کے لیے کافی ہیں۔ بقول ڈاکٹر سید معین الرحمٰن:

> ''نقوش کی ادارت کے سلسلے میں اُنھوں نے جو امتیازِ خاص حاصل کیا، جس پیہم محنت اور اَن تھک لگن کا مظاہرہ کیا، جو باثمر اور جرأت آزما تجربات کیے اور جن اور جیسی روایات کو قائم کیا اور انھیں جس طرح آگے بڑھایا، اس نے تاریخ کے اوراق میں ان کے نام اور کام کو دوام عطا کیا ہے۔ حق یہ ہے کہ ادارتی اور ادبی میدان میں طفیل صاحب نے جو کارنامے رقم کیے اور جو نقوشِ قدم ثبت کیے ہیں وہ کبھی بے رنگ اور بے نور نہیں ہوں گے۔''[2]

ادبی رسائل کی تاریخ میں ''نقوش'' واحد ایسا رسالہ ہے جس نے اپنی راہ میں پیش آنے والی مشکلات اور صعوبتوں کا نہایت پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا ہے اور نہایت ثباتِ قدم اور استقلال کے ساتھ ہموار انداز میں نہ صرف اپنے سفر کو جاری رکھا ہے بلکہ اُردو ادب کی ترقی اور استحکام میں ایسا بھرپور کردار ادا کیا ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ نقوش کے اشاعتی سفر کو درج ذیل ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

دورِ اوّل:	مارچ ۱۹۴۸ء	تا	نومبر ۱۹۴۹ء
دورِ دوم:	مئی ۱۹۵۰ء	تا	مارچ ۱۹۵۱ء
دورِ سوم:	اپریل ۱۹۵۱ء	تا	جون ۱۹۸۵ء
دورِ چہارم:	ستمبر ۱۹۸۶ء	تا	۲۰۰۷ء (جاری)

○ نقوش کا دورِ اوّل:

(مارچ ۱۹۴۸ء تا نومبر ۱۹۴۹ء)

''نقوش'' کے دورِ اوّل کا آغاز مارچ ۱۹۴۸ء سے ہوتا ہے۔ جب اس نے پہلی بار ہاجرہ مسرور اور احمد ندیم قاسمی کی ادارت میں اپنے سفر کا آغاز کیا۔ احمد ندیم قاسمی آغازِ سفر کی روداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''میں ۱۹۴۶ء کے آخر میں پشاور ریڈیو سے منسلک ہوگیا اور لاہور سے رسالہ ''سویرا'' نکلا تو میں نے اس کی چند ابتدائی اشاعتیں پشاور ہی سے مرتب کر کے بھیجیں مگر اس دوران طفیل صاحب اور میں ایک سازش کے منصوبے پر بڑی جانفشانی سے کام کرتے رہے۔ سازش یہ تھی کہ لاہور سے اپنا ایک ادبی رسالہ نکالا جائے جس کے ناشر طفیل صاحب ہوں اور جس کی ادارت ہاجرہ بہن کے اور میرے سپرد ہو۔ اسی سازش کے تحت میں ۱۹۴۸ء میں پشاور سے بھاگ کر لاہور آ گیا اور یہاں سے ریڈیو والوں کو اپنا استعفیٰ بھجوادیا۔ ''نقوش'' کا ڈیکلریشن منظور ہوا اور جب اس کا پرچہ چھپ کر آیا تو مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ طفیل صاحب نے تو اپنی شخصیت کے بعض پہلو مجھ سے چھپا رکھے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہاجرہ بہن اور میں جب ''نقوش'' کا پہلا شمار مرتب کرنے بیٹھے تو اندر سے خوفزدہ تھے کہ یہ ناتجربہ کار اور سادہ مزاج نوجوان کہیں اتنی محنت سے مرتب کیے ہوئے مضامینِ نظم ونثر کو ایسے بھونڈے انداز میں نہ شایع کر بیٹھے کہ ہم دونوں کی محنت پر پانی پھر جائے۔ مگر جب رسالہ چھپا تو اس کا صوری حسن اس انتہا پر تھا کہ پاکستان و ہند کے ادبی حلقے حسن وسادگی کے اس متوازن امتزاج پر دم بخود رہ گئے۔'' [۳]

''نقوش'' کا پہلا شمار ۸/۳۰×۲۰ سائز کا تھا اور ۸۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ (بعد میں تا حال نقوش کے تمام شمارے اِسی معیاری سائز پر شایع ہوتے رہے۔ البتہ صفحات کی تعداد میں حیرت انگریز طور پر اضافہ ہوتا رہا۔) اندرونی سرورق کی پیشانی پر ''زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمائندہ'' کی عبارت درج تھی۔ جو واضح طور پر اس کے ترقی پسندانہ رجحانات کی آئینہ دار تھی۔ ''طلوع'' کے عنوان سے اداریہ ہاجرہ مسرور نے لکھا۔ جس کی ابتدائی سطور میں انھوں نے تحریر کیا:

> ''لیجیے، ہم نقوش کا پہلا شمارہ آپ کی خدمت میں پیش کررہے ہیں۔ اب آپ بے نیازی سے یہ سوچیں گے کہ یہ کون سا حادثہ ہے، اس سے پہلے ان گنت

رسالے اپنا پہلا شمارہ پیش کر چکے ہیں، اور آئندہ بھی بے شمار دفعہ لوگ یہ حرکت کرنے سے نہیں چوکیں گے__ مگر سنیے تو سہی، بات یہ ہے کہ یوں تو دنیا میں روزانہ بے شمار بچے پیدا ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انہی بے شمار ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے بچوں میں کوئی نہ کوئی بچہ ملکوں اور قوموں کی تقدیریں الٹ پلٹ کر رکھ دیتا ہے__ یہ حقیقت ہے کہ ہر صدی میں کئی ایسے بچے پیدا ہوتے ہیں لیکن کم بخت مامتا کو کیا کیجیے کہ ہر ماں اپنے ہر بچے کا پالنا جھلاتے ہوئے کہتی ہے__ ''اللہ نظر بد سے بچائے، میرا راجہ بیٹا کم از کم ڈپٹی تو ضرور بن کر رہے گا__'' لیکن اس وقت کیسا جی جلتا ہے، جب وہ راجہ بیٹا پٹواری کی آسامی میں بھی صاف فیل نکلتا ہے! بالکل یہی حال اُردو کے عام رسالوں کا ہے، معلوم نہیں آپ کی نظر میں اس المیہ کی بنیادی وجہ کیا ہوگی، مگر ہمارا خیال تو یہ ہے کہ اس اڑا اڑا دھم میں سارا فساد ''بے پروائی'' اور ''بے عملی'' کا ہے__ جو بھی نیا رسالہ اٹھا کر دیکھیے، اس کے اداریے میں دعووں کی ایک گھنگھور گھٹا چھائی نظر آئے گی، لیکن اس کے آگے مطلع صاف، یا پھر پھٹے پھٹے بادلوں کے دو چار بے رس آوارہ ٹکڑے۔ بس اس پر منتظر آنکھیں جیسے سلگ اٹھتی ہیں__ اور مایوسی بیزاری بن کر ذہنوں پر چھا جاتی ہے__ پھر اگر کہیں سے واقعی کوئی ڈھنگ کی صورت ابھرنے کی کوشش کر رہی ہو تو بھی بے زار نظریں ادھر غور نہیں کرتیں__ اس ڈر کے مارے ہم آپ کے سامنے بلند بانگ جذباتی دعووں کے ساتھ آنے کی بجائے سیدھی طرح اپنے کام کی پہلی قسط پیش کر رہے ہیں__ ''نقوش'' کیا ہے اور کیا ہوگا، اس کا ذرا بہت اندازہ آپ ہی لگا لیجیے، بس ہم چند لفظوں میں اتنا ضرور بتائیں گے وہ کس مقصد کو سامنے رکھ کر اور کیوں؟''[۴]

اس سے آگے ہاجرہ مسرور نے اس مقصد کی وضاحت کی ہے جس کے تحت ''نقوش'' شایع کیا جا رہا ہے۔ مثلاً ''نقوش'' میں ہر اس موضوع پر مضامین شایع ہوں گے جس کے اثرات سے ادب، زندگی کا آئینہ ہوتے ہوئے منہ نہیں پھیر سکتا۔ نئے حالات میں، جبکہ ہمارا ادب بھی غیر ملکی حکومت کے پنجے سے اپنا گلا چھڑا چکا ہے، ہماری زندگیوں کے اکثر مسائل بدل گئے ہیں۔ اب ہمیں نئے نئے ذہین فنکاروں کی ضرورت ہوگی جو ہماری بدلی ہوئی زندگی پر گہری نظر ڈال سکیں اور ہماری ہر نئی پرانی بے چینی کا حل ہمارے نئے ماحول میں ڈھونڈ سکیں۔ اُنھوں نے اس عزم کا اظہار بھی کیا کہ ''نقوش'' کے ذریعے ہم نئے نئے لکھنے والوں کو

متعارف کرائیں گے اور ایسے ادب کی اشاعت کے مرتکب نہ ہوں گے جو ہمیں آزادی کے صحیح مصرف کا احساس نہ دلا سکے۔ ''طلوع'' کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے:

''ہم آزاد ہیں اور اپنے ملک کے وفادار ہیں۔ اس لیے لازمی طور پر ترقی پسند ہیں۔'' ۵

''نقوش'' کے پہلے شمارے کے مندرجات میں مقالے، نظمیں، افسانے، غزلیں، ہماری زبان، ہماری دنیا، ہمارا سماج، فلم اور نئی کتابیں کے ذیلی عنوانات قائم کیے گئے ہیں اور لکھنے والوں میں ڈاکٹر عبدالحق، سیماب اکبر آبادی، فراق گورکھپوری، حفیظ ہوشیار پوری، علی سردار جعفری، عزیز احمد، غلام رسول مہر، کرشن چندر، احمد ندیم قاسمی، ہاجرہ مسرور، اختر شیرانی، اثر لکھنوی، سیف الدین سیف، حفیظ جالندھری، یوسف ظفر، قیوم نظر، قتیل شفائی، عبدالمجید سالک، مختار صدیقی، عبدالحمید عدم، حامد حسن قادری، فلک پیا، خواجہ احمد فاروقی، احتشام حسین، نورالحسن ہاشمی، خدیجہ مستور اور اے قدوس کے نام شامل ہیں۔ پرنٹ لائن میں محمد طفیل کا نام بطور پرنٹر پبلشر اور ایڈیٹر کے درج ہے۔ پرچے کی قیمت ایک روپیہ اور سالانہ چندہ دس روپے ہے۔

ہاجرہ مسرور اور احمد ندیم قاسمی کی زیر ادارت ''نقوش'' کے دس شمارے شایع ہوئے جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

شمارہ نمبر ۱	مارچ ۱۹۴۸ء	عام شمارہ	صفحات ۸۴
شمارہ نمبر ۲	اپریل ۱۹۴۸ء	عام شمارہ	صفحات ۸۰
شمارہ نمبر ۳	جولائی ۱۹۴۸ء	عام شمارہ	صفحات ۱۰۴
شمارہ نمبر ۴	اگست ۱۹۴۸ء	آزادی نمبر	صفحات ۲۶۴
شمارہ نمبر ۵	مارچ، اپریل ۱۹۴۹ء	عام شمارہ	صفحات ۲۰۰
شمارہ نمبر ۶	مئی، جون ۱۹۴۹ء	عام شمارہ	صفحات ۱۱۰
شمارہ نمبر ۷	جولائی ۱۹۴۹ء	عالمگیر امن نمبر	صفحات ۱۵۲
شمارہ نمبر ۸	اگست، ستمبر ۱۹۴۹ء	آزادی نمبر	صفحات ۲۴۰
شمارہ نمبر ۹	اکتوبر ۱۹۴۹ء	عام شمارہ	صفحات ۸۰
شمارہ نمبر ۱۰	نومبر ۱۹۴۹ء	عام شمارہ	صفحات ۷۲

''نقوش'' کا پہلا دور خاصا ہنگامہ خیز رہا۔ محمد طفیل نے جس دور میں ''نقوش'' جاری کیا وہ بجائے خود عالمی سطح پر ایک سیاسی آویزش کا دور تھا۔ پاکستان کو قائم ہوئے چھ سات ماہ ہی

ہوئے تھے۔ اس دور میں ترقی پسندوں کا کردار فطری طور پر حکومتِ وقت کی مخالفت میں نمایاں ہوگیا تھا۔ اگرچہ آزادی کی جدوجہد میں مسلم لیگ کے ساتھ ترقی پسند بھی شامل تھے مگر آزادی کے بعد کی صورت حال میں ترقی پسندوں کے ایک محدود طبقے کا ردعمل کئی ایک شبہات کو جنم دے رہا تھا۔ اغلب گمان ہے کہ محمد طفیل کو اس سیاسی کش مکش کی گہرائی کا صحیح اندازہ نہ ہوسکا جو اس وقت ملک میں پروان چڑھ رہی تھی۔ چنانچہ ایک نئے ادبی پرچے کی ادارت کے لیے ہاجرہ مسرور اور احمد ندیم قاسمی کا انتخاب کرتے ہوئے انھوں نے محض دوستی اور تعلقات کو بنیاد بنایا۔ یہاں تک کہ جب ''نقوش'' کے تیسرے شمارے میں سعادت حسن منٹو کا افسانہ ''کھول دو'' چھاپنے پر ''نقوش'' پر چھ ماہ کے لیے پابندہ لگادی گئی تب بھی انھوں نے اس کے مدیران سے ایک لفظ نہ کہا۔ اس بات کی تصدیق احمد ندیم قاسمی کے اس بیان سے ہوتی ہے:

> ''نقوش'' کے معاملے میں منٹو کے افسانہ ''کھول دو'' کو قابل اعتراض قرار دیا گیا حالانکہ حکام کی نظر میں دراصل ''نقوش'' کی پالیسی قابلِ اعتراض تھی۔ بحیثیت ترقی پسند ادیب، میں نے ''نقوش'' کو ترقی پسند ادب کا ترجمان بنادیا تھا۔ یہ وہ موقع تھا جب طفیل صاحب جائز طور پر مجھ سے کہہ سکتے تھے کہ اعتدال سے چلو ورنہ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا مگر انھوں نے اس موضوع پر ایک لفظ تک نہیں کہا اور پابندی کے خاتمے کے انتظار میں چھ مہینے پہلے آئندہ شمارے کے منصوبے بنانے میں مصروف ہوگئے۔ پابندی ہٹی تو ہم پھر سے اپنے اپنے کام میں جٹ گئے۔ مگر جب ''نقوش'' کا دسواں شمارہ شایع ہوا تو طفیل صاحب نے محسوس کیا کہ یہ لوگ تو کشتیاں جلا کر آئے ہیں اور ان کی شدت کا ساتھ ناممکن ہوچلا ہے۔ میں آج بھی کہتا ہوں کہ طفیل صاحب کو ایسا محسوس کرنے کا حق تھا کیوں کہ ہمارا اشتراک، نظریاتی تو کبھی نہیں تھا۔[٦]

درج بالا اقتباس میں واضح طور پر اس امر کا اعتراف موجود ہے کہ ''نقوش'' کے معاملے میں اول روز ہی سے جو پالیسی اختیار کی گئی اسے نظریاتی طور پر محمد طفیل کی تائید حاصل نہ تھی۔ لیکن ان کی وضع داری اور دوست داری کے سبب تقریباً دو سال تک اسے جاری رکھا گیا۔ بقول احمد ندیم قاسمی، محمد طفیل نے اس دوران میں انھیں اعتدال پسندی اور متوازن رویہ اختیار کرنے کا مشورہ بھی نہیں دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بحیثیت پبلشر اور پرنٹر محمد طفیل نے کسی مرحلے پر بھی ادراتی امور میں مداخلت کو مناسب نہیں سمجھا اور مدیران پر اعتماد کرتے ہوئے یہ معاملہ ان پر چھوڑ

دیا کہ ان حالات میں وہ ازخود پرچے کی پالیسی میں میانہ روی سے کام لیں لیکن مدیران نے نتائج سے بے پروا ہوکر حالات سے سمجھوتہ کرنا گوارا نہ کیا بلکہ چھ ماہ کی پابندی کے بعد جب ''نقوش'' دوبارہ جاری ہوا تو شمارہ نمبر ۵ میں اپنا ردعمل ان الفاظ میں ظاہر کیا:

> ''ہم اپنی حکومت سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کیا صدیوں کی محکومیت کے بعد آزادی کی نعمتوں سے ہم ادیبوں کو اسی صورت میں بہرہ یاب ہونا تھا؟ کیا قیام پاکستان کے سلسلے میں ہماری قلمی و عملی سرگرمیوں کا اعتراف اسی طرح مناسب تھا کہ ہمارے معیاری ادبی رسالوں کی زبانیں چھ ماہ کے لیے کاٹ لی جائیں۔''[۷]
>
> ''کیا ایک بہتر زندگی کی تمنا اتنی کڑی ''نوازش'' کی سزاوار تھی؟ اور کیا جمہوری حکومتوں کے چلن ایسے ہی ہوتے ہیں کہ ادھر نہایت نیک نیتی سے حکومت کے کسی ادارے پر تنقید ہوئی اور ادھر چھ مہینوں کی زبان بندی کا نقارہ پیٹ دیا گیا؟ اور کیا ترقی پسند ادیب... جو پاکستان کے کروڑوں عوام کا ضمیر ہیں۔ آزادی، مساوات اور عوام دوستی کے علاوہ اور بھی کسی جرم کے مرتکب ہوئے ہیں؟''[۸]

دس شماروں کے اس مختصر دور میں ہاجرہ مسرور اور احمد ندیم قاسمی نے تین خاص نمبر چھاپے۔ شمارہ نمبر ۴ ''آزادی نمبر'' شمارہ نمبر ۷ ''عالمگیر امن نمبر'' اور شمارہ نمبر ۸ ''آزادی نمبر،۱۹۴۹'' تھا۔ شمارہ نمبر ۱۰ میں یہ اعلان کیا گیا کہ آئندہ شمارہ ''افسانہ نمبر'' ہوگا لیکن اس سے پہلے ہی ادارت تبدیل ہوگئی۔

''نقوش'' کے ابتدائی دو سالہ دور کے دس شماروں میں مضامین نظم و نثر کی کل تعداد ۳۹۴ بنتی ہے جس میں مضامین، مقالوں، افسانوں، ڈراموں، نظموں اور غزلوں سمیت تمام اصناف نظم و نثر شامل ہیں۔ اس دور میں ہاجرہ مسرور نے سات اور احمد ندیم قاسمی نے تین اداریے لکھے۔ یہ اداریے ادبی رسائل کی تاریخ میں منفرد نوعیت کے حامل ہیں۔ ان اداریوں نے حق گوئی و بے باکی کی نئی طرح ڈالی۔ ان اداریوں کے لب ولہجہ کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اگرچہ اس دور میں صحافت، خاص طور پر ترقی پسند صحافت پر متنوع پابندیاں عائد تھیں مگر اس کے باوجود جرأت کا مظاہرہ کرنے والے اور خم ٹھونک کر میدان میں اترنے والے موجود تھے۔ ''نقوش'' کے بعد کے ادوار میں اس نوع کے اداریے لکھنے کی رسم ختم ہوگئی۔

○ نقوش کا دورِ دوم:

(مئی ۱۹۵۰ء تا مارچ ۱۹۵۱ء)

ہاجرہ مسرور اور احمد ندیم قاسمی کے ادارت میں آخری شمارہ نومبر ۱۹۴۹ء میں منظر عام پر آیا۔ ان دونوں اکابر کی ادارت سے وابستگی ''نقوش'' کے لیے مشکلات کا باعث بن رہی تھی۔ چنانچہ محمد طفیل کو بادل نخواستہ ان سے معذرت کرنا پڑی۔ ''نقوش'' نے ابتدائی دس شماروں میں جو رخ اختیار کرلیا تھا، اُسے اس ڈگر پر چلانا محمد طفیل کے لیے ممکن نہ تھا۔ ادارت کی تبدیلی کے فیصلے پر رائے زنی کرتے ہوئے احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

> ''اپنے ایک عزیز ترین خواب کی تعبیر کے اس انتشار پر ہاجرہ بہن کا اور میرا طرزِ عمل کیسا رہا، یہ میرے بتانے کی چیز نہیں ہے۔ البتہ میں طفیل صاحب کے طرزِ عمل کے بارے میں بتا سکتا ہوں کہ اگر ان کی جگہ کوئی اور صاحب ہوتے تو اپنے اس فیصلے کا جواز پیدا کرنے کے لیے باقاعدہ طیش میں آتے، یا شکوہ کرتے کہ میری انتہا پسندی نے ان کے منصوبوں کو ڈیڑھ پونے دو برس تک تشنہ تکمیل رکھا، یا ''نقوش'' کی ترتیب اگر ہماری بجائے کسی اور صاحب کے سپرد ہوتی تو رسالہ زیادہ مقبول ہوتا۔ طفیل صاحب ایسی کوئی بات زبان پر نہ لائے بلکہ جب وہ مجھے اپنا یہ فیصلہ سنانے میرے ہاں تشریف لائے تو ان کا انداز سراسر معذرتی تھا۔''[۹]

محمد طفیل نے ''نقوش'' کو اعتدال پر لانے اور اسے متوازن بنانے کے لیے سید وقار عظیم کا انتخاب کیا۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۴۹ء سے اپریل ۱۹۵۰ء تک تقریباً پانچ ماہ کے تعطل کے بعد سید وقار عظیم کی ادارت میں پہلا شمارہ مئی ۱۹۵۰ء میں شایع ہوا۔ سید وقار عظیم نے ''نقوش'' کا رابطہ زندگی کے ساتھ قائم رکھا لیکن سیاست کی گرم بازاری کو قبول نہ کیا۔ انھوں نے ''نقوش'' کا نیا نطقہ نظر ان الفاظ میں بیان کیا۔

> ''ادب کے سرچشمے زندگی ہی سے پھوٹتے ہیں۔ زندگی سے بے تعلق ہوکر کوئی ادب صحیح مفہوم میں ادب نہیں رہ سکتا۔ زندگی اسے سنوارتی ہے، اسے حیاتِ دوام بخشتی ہے، دلوں سے قریب لاتی ہے۔ اور اس کے بدلے میں ادب بھی زندگی کا خدمت گزار بنتا ہے، اسے سنوارتا ہے، حسین بناتا ہے۔ اس کے حال میں ماضی کے نقوش ابھارتا ہے اور ماضی وحال کے ان نقوش سے مستقبل کے نقوش ابھرتے ہیں۔ اس طرح زندگی اور ادب ایک دوسرے کی ہم نوائی میں آگے بڑھتے ہیں۔ ادب کی جڑیں زندگی سے مضبوط ہوتی ہیں اور زندگی کو ادب سے برگ وبار اور گل

و ریحان نصیب ہوتے ہیں۔ اسی بات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ادب زندگی کی مصوری اور ترجمانی کرتے وقت اگر ادب کی راویتوں اور فن کی لطافتوں سے بے تعلق ہوجائے تو اس کے ثبات و دوام میں کمی آتی ہے... دونوں کی یہ انفرادی خصوصیتیں یکجا ہوں تو اچھے ادب کی تخلیق ہوتی ہے۔ ان میں سے کسی خصوصیت میں کمی آجائے تو ادب خشک، بے معنی اور کھوکھلا رہ جاتا ہے۔ اسی لیے ''نقوش'' ادب میں دونوں کی ان اہم خصوصیات کی ہم نوائی اور ہم آہنگی کا قائل اور پیرو ہے اور ایک جماعت اور دوسری جماعت کے فرق کو ادب کے لیے مہلک جانتا ہے۔ وہ کسی خاص جماعت یا گروہ کا نمائندہ نہیں۔ وہ ہر اس جماعت کے ساتھ ہے جو ادب کو ادب سمجھ کر، اسے ماضی کی تہذیبی روایتوں کا امین، حال کا آئینہ دار اور مستقبل کا پیامی جان کر اسے سینے سے لگاتی ہے... وہ ماضی کے نقوش کا امین اور حال کے تقاضوں کا پاسبان ہے۔''[۱۰]

سید وقار عظیم نے ان سطور میں بڑی فصاحت کے ساتھ ''نقوش'' کی آئندہ پالیسی بیان کردی۔ اب محمد طفیل کا نام بھی مدیر کے نام کے ساتھ پرنٹر و پبلشر کے طور پر جلی حروف میں شایع ہونے لگا۔ فہرست میں لکھنے والوں کے ناموں میں بھی تبدیلی نظر آنے لگی۔ بقول ڈاکٹر انور سدید:

''اب اس میں ایسے ادیبوں کو جگہ دی گئی جو جمالیاتی قدروں کی پاسبانی کرتے تھے اور ادب کی روایتوں کے امین تھے۔''[۱۱]

سید وقار عظیم کی زیرِ ادارت نقوش کے درج ذیل شمارے شایع ہوئے۔

شمارہ نمبر ۱۱، ۱۲	مئی ۱۹۵۰ء	خاص نمبر	صفحات ۲۰۰
شمارہ نمبر ۱۳	جون ۱۹۵۰ء	عام شمارہ	صفحات ۷۲
شمارہ نمبر ۱۴	جولائی ۱۹۵۰ء	عام شمارہ	صفحات ۷۲
شمارہ نمبر ۱۵، ۱۶	دسمبر ۱۹۵۰ء	سالنامہ	صفحات ۲۴۲
شمارہ ۱۷، ۱۸	مارچ ۱۹۵۱ء	ناولٹ نمبر	صفحات ۲۷۶

سید وقار عظیم کے دور میں کل پانچ شمارے منظر عام پر آئے۔ تین شماروں میں دو دو نمبروں کو یکجا کر کے ان کی ضخامت بڑھا دی گئی۔ گیارھواں اور بارھواں شمارہ ''خاص نمبر'' کی شکل میں نمودار ہوا۔ پندرھواں اور سولھواں شمارہ ''سالنامہ'' تھا جبکہ شمارہ نمبر ۱۷، ۱۸ ''ناولٹ نمبر'' کی صورت میں پیش کیا گیا۔ یہ دونوں بہت مقبول ہوئے۔ خصوصاً ''ناولٹ نمبر''۔

کیوں کہ تقسیم ہند کے بعد پہلی بار اتنا اچھا ناولٹ نمبر نکالا گیا تھا۔ ''ناولٹ نمبر'' میں سعادت حسن منٹو، شوکت تھانوی، انتظار حسین، اے حمید اور اشفاق احمد کے ناولٹ شامل کیے گئے۔ جبکہ منظوم کہانیوں کی ذیل میں عبدالحمید عدم اور سلام مچھلی شہری کی طویل منظومات پرچے کی زینت بنیں۔ مضامین میں سید عابد علی عابد اور صلاح الدین احمد کی تحریریں خاصے کی چیز تھیں۔

سید وقار عظیم کا دورِ ادارت سب سے مختصر رہا۔ اس دور میں ''طلوع'' کے عنوان سے لکھے جانے والے اداریے بہت مختصر ہوگئے۔ ان کے موضوعات محض چند ادبی مسائل تک محدود ہوگئے۔ ان میں ملکی مسائل یا عام آدمی کے مسائل کا وہ ذکر ختم ہوگیا جو ''نقوش'' کے دورِ اوّل کی خاصیت تھی۔ ''نقوش'' کے اس دور کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں محمد طفیل کی پہلی باضابطہ تحریر منظرِ عام پر آئی جو بحیثیت ناشر کے شمارہ ۱۵۔۱۶ کے صفحہ ۶ پر ''عرضِ ناشر'' کے عنوان سے شایع ہوئی۔ اس تحریر کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے من و عن درج کیا جاتا ہے:

> ''نقوش'' میری آرزوؤں کا ماحصل، آپ کے سامنے ہے۔ ممکن ہے آپ اسے اِدھر اُدھر سے الٹ پلٹ کر یہ کہہ دیں کہ... ''ہاں اچھا ہی پرچہ ہے'' آپ کے اس خیال سے قطع نظر مجھے صرف اتنا ہی عرض کرنا ہے کہ میں نے ہمیشہ ''نقوش'' کو اپنے خونِ جگر سے سینچا ہے کیوں کہ شروع سے میری یہ خواہش رہی ہے کہ اُردو ادب میں معیار کے اعتبار سے ''نقوش'' وہ بلند پایہ مقام پیدا کرلے جو کسی دوسرے کو نصیب نہ ہو اور اسے حال کے علاوہ مستقبل میں بھی بھلایا نہ جاسکے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے اپنے مقصد میں کہاں تک کامیابی نصیب ہوئی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں اسے اپنی طرف سے، اب تک اسی دلآویز خواہش کے ماتحت شایع کررہا ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ ''نقوش'' کے ادبی معیار اور نکھار کا تنہا ذمہ دار مدیر اور صرف مدیر ہی ہے۔ لیکن ان کے معاون کی حیثیت سے جتنی کاوش اور جدوجہد مجھے بھی کرنا پڑتی ہے اسے کچھ میرا ہی دل جانتا ہے۔ ایسی مشترک مساعی کا نچوڑ آپ کے سامنے آتا ہے جب کہیں جاکر آپ صرف اتنا ہی کہہ پاتے ہیں کہ... ''ہاں اچھا ہی پرچہ ہے۔''
>
> اُردو ادب سے اس شیفتگی اور ان تھک کوششوں کا جو کچھ بھی صلہ ملا وہ تو بڑا ہی حوصلہ شکن ہے اور مجھے دلی افسوس سے یہ کہنے پر آمادہ ہونا ہے کہ ہمارے عوام سطحی نوع کے لٹریچر اور گھٹیا قسم کے رسالوں کو تو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں لیکن ان کے بجٹ میں معیاری ادبی رسائل کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں۔ عوام کے اس رجحان کو دیکھ کر ان

کی اس ادبی بدنصیبی پر جتنا بھی تأسف کیا جائے کم ہے۔لیکن ہم پھر بھی، عوام کی اس ادبی بیزاری اور سرد مہری کے باوجود، بددل نہیں ہوئے۔ ممکن ہے کہ ہم کسی نہ کسی وقت ان کو کھرے اور کھوٹے کی پہچان کرانے میں کامیاب ہوسکیں۔

قارئین کو یہ شکایت ہے کہ ''نقوش'' باقاعدگی سے شایع نہیں ہوتا۔ ان کی یہ شکایت بجا ہے اور ان کی اس شکایت کا میرے دل میں احترام بھی ہے۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ ہم نہیں چاہتے کہ ''نقوش'' کا کوئی بھی شمارہ اپنے مقررہ معیار سے کم تر رہے۔ ہماری یہی لگن اسے باقاعدہ شایع ہونے سے روکتی ہے۔ آخر معیاری مضامین، نظمیں، غزلیں اور افسانے کہاں تک میسر آئیں جبکہ پاکستان اور بھارت میں چند گنے چنے ادیب ہوں۔ اور پھر جب نئے لکھنے والوں میں سے خال خال ہی کوئی ابھرتا ہوا نظر آئے تو یہ مشکل اور مشکل بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں بڑے ہی افسوس کے ساتھ اس امر کا فیصلہ کرنا پڑا ہے کہ ہم آئندہ ''نقوش'' ماہانہ کی بجائے سہ ماہی شایع کیا کریں گے۔

''نقوش'' کو اب تک ہزاروں کا نقصان ہوا ہے۔لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے ہزاروں ہی دلوں میں اپنے لیے جگہ بھی پیدا کرلی ہے۔ اس سے کوئی مالی فائدہ تو حاصل نہ ہوسکا۔لیکن مجھے اس کا علم ہے''نقوش'' کے ہر نئے شمارے کے کچھ باشعور احباب دل و جان سے منتظر رہتے ہیں۔ اسے ہی میری کمائی سمجھیے اور اسی کو مستقل کے نقاد کی مختصر سی پونجی۔

جناب مدیر کے علاوہ میں بھی ان تمام ادباء وشعرا حضرات کا ممنون کرم ہوں جنھوں نے ''نقوش'' کو اس قابل بنایا کہ وہ اپنی مختصر سی عمر میں اپنی ممتاز انفرادیت قائم رکھ سکا۔''[۱۲]

محمد طفیل کی اس اولین تحریر سے جہاں ''نقوش'' کے ساتھ ان کی والہانہ وابستگی کا پتا چلتا ہے وہاں ان کی ذات میں چھپے ہوئے ایک ادیب کی موجودگی کی اطلاع بھی ملتی ہے۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد جب وہ ''نقوش'' کی ادارتی ذمہ داریاں اپنے سر لیتے ہیں تو ان کے ادیبانہ جوہر کھل کر سامنے آتے ہیں۔ سید وقار عظیم کی ادارت میں ''نقوش'' کا آخری شمارہ (شمارہ نمبر ۱۷، ۱۸) مارچ ۱۹۵۱ء میں شایع ہوا۔ اس کے بعد اپریل ۱۹۵۱ء کے شمارہ نمبر ۱۹۔۲۰ سے یہ جریدہ محمد طفیل کی ادارت میں شایع ہونے لگا۔

○ نقوش کا دورِ سوم:

(اپریل ۱۹۵۱ء تا جون ۱۹۸۵ء)

محمد طفیل کی ادارت میں ''نقوش'' کا یہ دور ''نقوش'' ہی نہیں کسی بھی ادبی رسالے کا طویل اور فعال ترین دور ہے۔ انھوں نے پختہ عزم اور بلند ارادوں کے ساتھ بحیثیت مدیر اپنی ذمہ داریوں کا آغاز کیا۔ ان کے قلم سے نکلی ہوئی ''طلوع'' کی سطور اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہیں:

> ''نقوش'' کی ترتیب کا بار اب میرے ذمہ ہے۔ اس راہ میں جن جن ذمہ داریوں اور نزاکتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے میں ان سے آشنا بھی ہوں اور متاثر بھی۔ اسی لیے لمبے چوڑے دعوے کرنا میرے بس کی بات نہیں رہی۔ اور پھر جب یہ احساس بھی دامن گیر ہو کہ اس سے قبل ہم سے غلطیاں بھی سرزد ہوئی ہیں تو میں اس کی اچھائیوں پر خوش ہونا اور اس کی کمزوریوں پر افسوس کرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے کہ اس کی باگ ڈور ہمیشہ انسانی ہاتھوں میں رہی ہے۔ پھر جیتے جی فرشتہ بننے کو دل بھی نہیں چاہتا۔
>
> ... مجھ میں علمیت اور قابلیت دونوں کا فقدان سہی لیکن میں پاکستان و ہند کے بڑے بڑے ادیبوں اور شاعروں کے خلوص اور ان کے بھرپور تعاون پر اعتماد رکھتے ہوئے یہ بڑے بول لکھ رہا ہوں کہ ان شاء اللہ ''نقوش'' کے ادبی معیار کو کوئی ضعف نہیں پہنچے گا۔''[۱۳]

محمد طفیل کی صورت میں ''نقوش'' کو ایک ایسا مدیر میسر آ گیا جسے ہر حال میں ''نقوش'' کی زندگی اور بقا عزیز تھی۔ جو ''نقوش'' کے لیے وفا اور اخلاص ہی نہیں رکھتا تھا بلکہ اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے بھی تیار تھا۔ چنانچہ محمد طفیل نے ''نقوش'' کی خاطر اپنے دن کا آرام اور رات کا سکون تج دیا۔ ان کی ادارت میں ''نقوش'' کے ارتقا کا گراف مسلسل بلند ہوتا گیا۔ اس کی کامیابیوں کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا اور ادبی حلقوں میں اس کی عظمت اور احترام میں اضافہ ہوتا گیا۔ ایک محقق کا یہ قول ضرب المثل بن گیا کہ ''جو ادیب ''نقوش'' میں نہیں چھپتا اس کا ادیب ہونا مشکوک ہے۔''

محمد طفیل نے ''نقوش'' کی ادارت سنبھالی تو ادبی حلقوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ کہاں احمد ندیم قاسمی، ہاجرہ مسرور اور سید وقار عظیم جیسے بلند پایہ ادیب، جن کے ناموں نے ''نقوش'' کو ادبی حلقوں میں متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا تھا اور اڑھائی تین برسوں

میں اسے ایک قابل ذکر ادبی جریدہ بنادیا تھا اور کہاں محمد طفیل، جن کی ادبی سطح پر کوئی پہچان ہی نہیں تھی۔ خود احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

> ''مجھے یہ ماننے میں تامل تھا کہ ''نقوش'' کے ناشر محمد طفیل اب خود ہی ''نقوش'' کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیں گے۔ جب یہ طے پا گیا کہ یہی محمد طفیل ''نقوش'' کے مدیر ہیں تو سچی بات ہے، مجھے ''نقوش'' کے مستقبل کے سلسلے میں تشویش لاحق ہوگئی...اس تشویش کا پس منظر یہ تھا کہ طفیل صاحب سے اتنے قریبی تعلقات کے باوجود میں ان کی شخصیت کے اس پہلو سے بھی قطعی بے خبر تھا...میرے لیے یہ بات ایک اچنبھا تھی کہ طفیل اعلیٰ درجے کے ایک ادبی رسالے کے معیاروں کو کیسے برقرار رکھ سکیں گے۔ نظم ونثر کی موصولہ چیزوں میں ان کے انتخاب کا پیمانہ کیا ہوگا۔ جب کہ وہ اچھے شعر کی زبانی داد دینے کی بجائے صرف اپنا چہرہ سرخ کر لیتے ہیں اور پھر وہ بڑے بڑے شعرا وادبا کا تعاون کیسے حاصل کر پائیں گے۔'' [۱۴]

صرف احمد ندیم قاسمی ہی کو اس بارے میں تشویش نہیں تھی بلکہ اکثر حضرات کا خیال تھا کہ خوش نویسی کرتے کرتے ادارت کرنے کی ہمت کرنا آسان کام نہیں ہے۔ محمد طفیل اس اہم ذمہ داری کو سنبھالنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ کچھ لوگوں نے طنز واستہزاء کے تیر بھی برسائے، کچھ نے پھبتیاں کسیں مگر محمد طفیل نے کسی کا جواب نہیں دیا اور خاموشی سے اپنے کام میں مگن رہے۔ ظ۔ انصاری لکھتے ہیں:

> ''۱۹۵۱ء'' ختم ہورہا تھا جب اسی رسالے کے خوش نویس اور منیجر نے جسے آنے جانے والے صرف کاتب سمجھتے تھے یہ جوا اپنے کاندھے پر رکھ لیا اور مجبوراً رکھ لیا کیونکہ کوئی اہلِ قلم بلا معاوضہ یہ دردِ سر پالنے کا روادار نہ تھا۔
>
> ''نقوش'' کے جب دو چار شمارے محمد طفیل کی برائے نام ادارت میں نکلے تو رسالے اور صاحب رسالہ دونوں پر پھبتیاں کسی گئیں۔ انھیں بتایئے کہ رسالے کا ایڈیٹر بھی ہوا کرتا ہے۔ ذرا بھئی دیکھنا کہ یہ طفیل ہے یا طفیلی؟ بھائی طفیل کس کے طفیل میں ایڈیٹر بنے پھرتے ہو۔ ایڈیٹری کا شوق ہے کتابت کی آمدنی بھی ہاتھ سے جائے گی۔
>
> یہ مضبوط رگ پٹھے کا خوش ذوق خوش نویس اپنی حدوں سے واقف تھا۔ اہلِ قلم کی ساری پھبتیاں سہہ گیا۔ کسی کو گستاخی یا بدزبانی سے جواب نہ دیا۔'' [۱۵]

انتظار حسین لکھتے ہیں:

''جب وقار صاحب نے ادارت چھوڑی تو پھر خود طفیل صاحب نے ادارت سنبھالی۔ اس وقت ادیبوں نے بہت انگلیاں اٹھائیں کہ بھلا محمد طفیل ادبی رسالہ کی ایڈیٹری کریں گے مگر طفیل صاحب نے تو ایسی ایڈیٹری کی کہ پھر لوگ پچھلے مدیروں کو بھول ہی گئے اور ایک اعتبار سے صحیح بھولے۔ ''نقوش'' اپنے ابتدائی دور میں تو بالکل انجمن ترقی پسند مصنفین کا اشتہار نظر آتا تھا۔ طفیل صاحب کی ادارت میں آ کر ہم عصر ادب کا رسالہ بنا۔'' ۱۶

محمد طفیل ۳۴ برس تک ''نقوش'' کی ادارت سے وابستہ رہے۔ اس دوران میں اُنھوں نے ''نقوش'' کے عام شماروں، خاص نمبروں، سالناموں اور اہم نمبروں کو نصف لاکھ سے زائد صفحات پر پیش کیا۔ محمد طفیل یہ سب تنہا کس طرح کر سکے، اتنا سارا مواد کہاں سے حاصل کر سکے اور ان کی ترتیب و تدوین کے لیے وقت کہاں سے لا سکے، حوصلہ کس طرح پیدا کر سکے اور انھیں نہایت سلیقے کے ساتھ حسنِ ظاہری و معنوی سے آراستہ کر کے کس طرح پیش کر سکے۔ ان پر غور تو کیا جا سکتا ہے لیکن انھیں دیکھ کر جو حیرت پیدا ہوتی ہے اس میں کمی نہیں لائی جا سکتی۔ کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید انھیں الہٰ دین کا چراغ ہاتھ لگ گیا تھا یا پھر انھوں نے کسی جن کو اپنے قبضہ میں کر رکھا تھا جس کی مدد سے وہ راہ کی تمام مشکلات پر نہایت آسانی سے قابو پا لیتے تھے اور نہ کبھی تھکتے تھے نہ ہمت ہارتے تھے بلکہ ہمیشہ تازہ دم رہتے تھے۔'' ۱۷

محمد طفیل نے ''نقوش'' کی ادارت سنبھالی تو پھر ''نقوش'' کے ہی ہو کر رہ گئے اور اس میں اس حد تک کھو گئے کہ ان کی اپنی شخصیت ''نقوش'' کے بغیر ناممکن نظر آنے لگی۔ اور ان کے بغیر ''نقوش'' کا تصور بے معنی ہو کر رہ گیا۔ محمد طفیل کے زیرِ ادارت نقوش کے شمارہ نمبر ۱۹۔۲۰ تا شمارہ نمبر ۱۳۱، تقریباً ۱۱۸ شمارے شایع ہوئے جن کی تفصّل درج ذیل ہے۔

شمارہ نمبر ۱۹۔۲۰	اپریل ۱۹۵۱ء	عام شمارہ	صفحات ۲۳۲
شمارہ نمبر ۲۱۔۲۲	مئی ۱۹۵۲ء	عام شمارہ	صفحات ۲۶۴
شمارہ نمبر ۲۳۔۲۴	جولائی ۱۹۵۲ء	عام شمارہ	صفحات ۲۴۰
شمارہ نمبر ۲۵۔۲۶	ستمبر، اکتوبر ۱۹۵۲ء	افسانہ نمبر	صفحات ۴۰۰
شمارہ نمبر ۲۷۔۲۸	نومبر، دسمبر ۱۹۵۲ء	عام شمارہ	صفحات ۲۴۰
شمارہ نمبر ۲۹۔۳۰	فروری، مارچ ۱۹۵۳ء	پنج سالہ نمبر	صفحات ۴۰۸
شمارہ نمبر ۳۱۔۳۲	مئی، جون ۱۹۵۳ء	عام شمارہ	صفحات ۲۰۸

شمارہ نمبر ۳۳۔۳۴	اگست، ستمبر ۱۹۵۳ء	عام شمارہ	صفحات ۲۰۸
شمارہ نمبر ۳۵۔۳۶	اکتوبر، نومبر ۱۹۵۳ء	عام شمارہ	صفحات ۲۴۸
شمارہ نمبر ۳۷۔۳۸	جنوری ۱۹۵۴ء	افسانہ نمبر	صفحات ۵۰۶
شمارہ نمبر ۳۹۔۴۰	مارچ ۱۹۵۴ء	عام شمارہ	صفحات ۲۱۶
شمارہ نمبر ۴۱۔۴۲	مئی، جون ۱۹۵۴ء	غزل نمبر	صفحات ۲۸۰
شمارہ نمبر ۴۳۔۴۴	جولائی، اگست ۱۹۵۴ء	ضمیمہ غزل نمبر	صفحات ۲۵۶
شمارہ نمبر ۴۵۔۴۶	ستمبر، اکتوبر ۱۹۵۴ء	عام شمارہ	صفحات ۲۶۴
شمارہ نمبر ۴۷۔۴۸	جنوری ۱۹۵۵ء	شخصیات نمبر	صفحات ۷۰۰
شمارہ نمبر ۴۹۔۵۰	۱۹۵۵ء	منٹو نمبر	صفحات ۳۸۴
شمارہ نمبر ۵۱۔۵۲	جولائی ۱۹۵۵ء	عام شمارہ	صفحات ۲۴۸
شمارہ نمبر ۵۳۔۵۴	دسمبر ۱۹۵۵ء	افسانہ نمبر (دو جلدیں)	صفحات ۱۰۹۰
شمارہ نمبر ۵۵۔۵۶	مارچ ۱۹۵۶ء	عام شمارہ	صفحات ۲۸۰
شمارہ نمبر ۵۷۔۵۸	جون ۱۹۵۶ء	عام شمارہ	صفحات ۲۴۶
شمارہ نمبر ۵۹۔۶۰	اکتوبر ۱۹۵۶ء	شخصیات نمبر (حصہ دوم)	صفحات ۸۱۶
شمارہ نمبر ۶۱۔۶۲	جنوری، فروری ۱۹۵۶ء	سالنامہ	صفحات ۳۸۴
شمارہ نمبر ۶۳۔۶۴	جون ۱۹۵۷ء	عام شمارہ	صفحات ۱۳۰
شمارہ نمبر ۶۵۔۶۶	نومبر ۱۹۵۷ء	مکاتیب نمبر (دو جلدیں)	صفحات ۱۰۴۸
شمارہ نمبر ۶۷۔۶۸	جون ۱۹۵۸ء	دس سالہ نمبر	صفحات ۴۵۴
شمارہ نمبر ۶۹۔۷۰	اکتوبر ۱۹۵۸ء	عام شمارہ	صفحات ۲۷۲
شمارہ نمبر ۷۱۔۷۲	فروری ۱۹۵۹ء	طنز و مزاح نمبر	صفحات ۹۲۸
شمارہ نمبر ۷۳۔۷۴	مئی ۱۹۵۹ء	عام شمارہ	صفحات ۳۵۲
شمارہ نمبر ۷۵۔۷۶	ستمبر ۱۹۵۹ء	پطرس نمبر	صفحات ۶۴۰
شمارہ نمبر ۷۷۔۷۸	دسمبر ۱۹۵۹ء	خاص نمبر	صفحات ۳۹۴
شمارہ نمبر ۷۹۔۸۰	اپریل ۱۹۶۰ء	ادب عالیہ نمبر	صفحات ۱۲۷۰
شمارہ نمبر ۸۱۔۸۲	جون ۱۹۶۰ء	عام شمارہ	صفحات ۲۸۰
شمارہ نمبر ۸۳۔۸۴	اگست ۱۹۶۰ء	عام شمارہ	صفحات ۲۵۶
شمارہ نمبر ۸۵۔۸۶	نومبر ۱۹۶۰ء	افسانہ نمبر	صفحات ۷۰۴

شمارہ نمبر ۸۷	فروری ۱۹۶۱ء	عام شمارہ	صفحات ۳۱۲
شمارہ نمبر ۸۸	مئی ۱۹۶۱ء	عام شمارہ	صفحات ۲۴۶
شمارہ نمبر ۸۹	جنوری، فروری ۱۹۶۰ء	غزل نمبر (بہ ترمیم و اضافہ)	صفحات ۷۵۲
شمارہ نمبر ۹۰	اکتوبر ۱۹۶۱ء	عام شمارہ	صفحات ۲۶۴
شمارہ نمبر ۹۱	دسمبر ۱۹۶۱ء	عام شمارہ	صفحات ۳۰۴
شمارہ نمبر ۹۲	فروری ۱۹۶۲ء	لاہور نمبر	صفحات ۱۲۰۴
شمارہ نمبر ۹۳	مئی ۱۹۶۲ء	عام شمارہ	صفحات ۳۲۸
شمارہ نمبر ۹۴	جولائی ۱۹۶۲ء	عام شمارہ	صفحات ۳۰۶
شمارہ نمبر ۹۵	اکتوبر ۱۹۶۲ء	عام شمارہ	صفحات ۳۱۲
شمارہ نمبر ۹۶	جنوری ۱۹۶۳ء	سالنامہ	صفحات ۶۰۸
شمارہ نمبر ۹۷	مارچ ۱۹۶۳ء	عام شمارہ	صفحات ۳۰۸
شمارہ نمبر ۹۸	جون ۱۹۶۳ء	عام شمارہ	صفحات ۴۰۸
شمارہ نمبر ۹۹	ستمبر ۱۹۶۳ء	شوکت (تھانوی) نمبر	صفحات ۶۲۴
شمارہ نمبر ۱۰۰	جون ۱۹۶۴ء	آپ بیتی نمبر (۲ جلدیں)	صفحات ۱۹۶۴
شمارہ نمبر ۱۰۱	نومبر ۱۹۶۴ء	عام شمارہ	صفحات ۵۶۸
شمارہ نمبر ۱۰۲	مئی ۱۹۶۵ء	عام شمارہ	صفحات ۵۰۰
شمارہ نمبر ۱۰۳	ستمبر ۱۹۶۵ء	عام شمارہ	صفحات ۵۵۲
شمارہ نمبر ۱۰۴	جنوری ۱۹۶۶ء	عام شمارہ	صفحات ۵۱۰
شمارہ نمبر ۱۰۵	اپریل، مئی، جون ۱۹۶۶ء	سالنامہ (۳ جلدیں)	صفحات ۱۲۲۴
شمارہ نمبر ۱۰۶	اکتوبر ۱۹۶۶ء	خاص نمبر	صفحات ۶۱۲
شمارہ نمبر ۱۰۷	مئی ۱۹۶۷ء	عام شمارہ	صفحات ۴۲۶
شمارہ نمبر ۱۰۸	ستمبر ۱۹۶۷ء	خاص نمبر	صفحات ۶۲۰
شمارہ نمبر ۱۰۹	اپریل، مئی ۱۹۶۸ء	خطوط نمبر (۳ جلدیں)	صفحات ۱۷۲۰
شمارہ نمبر ۱۱۰	نومبر ۱۹۶۸ء	افسانہ نمبر	صفحات ۶۷۶
شمارہ نمبر ۱۱۱	اپریل ۱۹۶۹ء	غالب نمبر (۱)	صفحات ۸۴۰
شمارہ نمبر ۱۱۲	اگست ۱۹۶۹ء	عام شمارہ	صفحات ۴۲۲
شمارہ نمبر ۱۱۳	اکتوبر ۱۹۶۹ء	غالب نمبر (۲)	صفحات ۳۸۸

شمارہ نمبر ۱۱۴	جولائی ۱۹۷۰ء	عام شمارہ	صفحات ۳۹۲
شمارہ نمبر ۱۱۵	دسمبر ۱۹۷۰ء	عام شمارہ	صفحات ۴۴۸
شمارہ نمبر ۱۱۶	ستمبر ۱۹۷۱ء	غالب نمبر (۳)	صفحات ۶۱۲
شمارہ نمبر ۱۱۷	مئی ۱۹۷۲ء	عام شمارہ	صفحات ۴۲۶
شمارہ نمبر ۱۱۸	جولائی ۱۹۷۳ء	سالنامہ	صفحات ۵۲۸
شمارہ نمبر ۱۱۹	ستمبر ۱۹۷۴ء	افسانہ نمبر	صفحات ۵۷۶
شمارہ نمبر ۱۲۰	جنوری ۱۹۷۶ء	سالنامہ	صفحات ۶۲۰
شمارہ نمبر ۱۲۱	ستمبر ۱۹۷۷ء	اقبال نمبر (۱)	صفحات ۵۵۸
شمارہ نمبر ۱۲۲	نومبر ۱۹۷۷ء	اقبال نمبر (نیرنگ خیال)	صفحات ۶۰۰
شمارہ نمبر ۱۲۳	دسمبر ۱۹۷۷ء	اقبال نمبر (۲)	صفحات ۶۵۴
شمارہ نمبر ۱۲۴	جنوری ۱۹۷۹ء	سالنامہ	صفحات ۵۳۰
شمارہ نمبر ۱۲۵	اکتوبر ۱۹۸۰ء	میر تقی میر نمبر (نسخۂ لاہور)	صفحات ۶۳۲
شمارہ نمبر ۱۲۶	نومبر ۱۹۸۰ء	میر تقی میر نمبر (۲)	صفحات ۶۴۰
شمارہ نمبر ۱۲۷	ستمبر ۱۹۸۱ء	ادبی معرکے نمبر (۲ جلدیں)	صفحات ۱۲۸۸
شمارہ نمبر ۱۲۸	نومبر ۱۹۸۱ء	انیس نمبر (نسخۂ لاہور)	صفحات ۴۲۸
شمارہ نمبر ۱۲۹	ستمبر ۱۹۸۲ء	عصری ادب نمبر	صفحات ۸۶۰
شمارہ نمبر ۱۳۰	دسمبر ۱۹۸۲ء	رسولؐ نمبر (۲ جلدیں)	صفحات ۱۵۷۶
شمارہ نمبر ۱۳۰	جنوری ۱۹۸۳ء	رسولؐ نمبر (۲ جلدیں)	صفحات ۱۵۰۰
شمارہ نمبر ۱۳۰	دسمبر ۱۹۸۳ء	رسولؐ نمبر (۲ جلدیں)	صفحات ۱۵۲۰
شمارہ نمبر ۱۳۰	جنوری ۱۹۸۴ء	رسولؐ نمبر (۴ جلدیں)	صفحات ۳۰۱۲
شمارہ نمبر ۱۳۰	جنوری ۱۹۸۵ء	رسولؐ نمبر (۳ جلدیں)	صفحات ۲۱۰۰
شمارہ نمبر ۱۳۱	اگست ۱۹۸۳ء	میر تقی میر نمبر (۳)	صفحات ۵۷۲
شمارہ نمبر ۱۳۲	جون ۱۹۸۵ء	سالنامہ	صفحات ۴۸۰

محمد طفیل کی زیرِ ادارت نکلنے والے شماروں کی درج بالا فہرست کی روشنی میں مختلف شماروں کی نوعیت اور مختلف موضوعات پر شایع ہونے والے نمبروں کو یوں ترتیب دیا جاسکتا ہے۔

اپریل ۱۹۵۱ء سے جون ۱۹۸۵ء تک کے دورانیے میں شایع ہونے والے:

عام شماروں کی تعداد: ۳۵	شمارہ نمبر ۱۹_۲۰، ۲۱_۲۲، ۲۳_۲۴، ۲۷_۲۸، ۳۱_۳۲، ۳۳_۳۴، ۳۵_۳۶، ۳۹_۴۰، ۴۵_۴۶، ۵۱_۵۲، ۵۵_۵۶، ۵۷_۵۸، ۶۳_۶۴، ۶۹_۷۰، ۷۳_۷۴، ۸۱_۸۲، ۸۳_۸۴، ۸۷، ۸۸، ۹۰، ۹۱، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۷، ۹۸، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۷، ۱۱۲، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۷
سالناموں کی کل تعداد: ۷	شمارہ نمبر ۶۱_۶۲، ۹۶، ۱۰۵ (۳ جلدیں)، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۴، ۱۳۲
خاص نمبروں کی کل تعداد: ۳	شمارہ نمبر ۷۷_۷۸، ۱۰۶، ۱۰۸
پنج سالہ نمبر: ۱	شمارہ نمبر ۲۹_۳۰
دس سالہ نمبر: ۱	شمارہ نمبر ۶۷_۶۸
افسانہ نمبر کی تعداد: ۶	شمارہ نمبر ۲۵_۲۶، ۳۷_۳۸، ۵۳_۵۴ (۲ جلدیں)، ۸۵_۸۶، ۱۱۰، ۱۱۹
غزل نمبر کی تعداد: ۳	شمارہ نمبر ۴۱_۴۲، ۴۳_۴۴ (ضمیمہ غزل نمبر)، ۸۹ (بہ ترمیم و اضافہ)
طنز و مزاح نمبر: ۱	شمارہ نمبر ۷۱_۷۲
ادب عالیہ نمبر: ۱	شمارہ نمبر ۷۹_۸۰
عصری ادب نمبر: ۱	شمارہ نمبر ۱۲۹
ادبی معرکے نمبر: ۱	شمارہ نمبر ۱۲۷ (۲ جلدیں)
آپ بیتی نمبر: ۱	شمارہ نمبر ۱۰۰ (۲ جلدیں)
شخصیات نمبر: ۲	شمارہ نمبر ۴۷_۴۸، ۵۹_۶۰
مکاتیب نمبر: ۱	شمارہ نمبر ۶۵_۶۶ (۲ جلدیں)
خطوط نمبر: ۱	شمارہ نمبر ۱۰۹ (۳ جلدیں)
لاہور نمبر: ۱	شمارہ نمبر ۹۲
میر تقی میر نمبر: ۳	شمارہ ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۳۱

غالب نمبر: ۳	شمارہ نمبر ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۶
انیس نمبر: ۱	شمارہ نمبر ۱۲۸
اقبال نمبر: ۳	شمارہ نمبر ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳
پطرس نمبر: ۱	شمارہ نمبر ۷۵۔۷۶
منٹو نمبر: ۱	شمارہ نمبر ۴۹۔۵۰
شوکت تھانوی نمبر: ۱	شمارہ نمبر ۹۹
رسولؐ نمبر:	شمارہ نمبر ۱۳۵ (۱۳ جلدیں)

محمد طفیل نے ''نقوش'' کے نمبر جس سلیقے، محنت اور ہنرمندی سے ترتیب دیے ہیں اس پر انھیں جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔ انھوں نے نمبر ہی نہیں نکالے اُردو ادب کی ایک پوری تاریخ رقم کردی ہے۔ بقول سید ضمیر جعفری:

> ''وہ محنت، ذہانت اور نفاست سے اپنے خاص شماروں کو علم و ادب کی تاریخی دستاویز بنادیتے ہیں۔ میں تو کہوں گا کہ وہ ادب و تہذیب کی حفاظت و سربلندی کے واسطے عظیم الشان قلعے تعمیر کرتے ہیں اور ان کی شہ نشینوں اور شیش محلوں، درباروں اور دالانوں میں دور دراز کی دشوار گزار کانوں سے ایسے ایسے موتی اور ہیرے کاٹ کر ڈھونڈ کر سجا دیتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ ''نقوش'' کے ہر خاص نمبر پر حرفِ آخر نہ سہی، حدِ آخر کا گمان ضرور ہوتا ہے لیکن ادبیات کا یہ ''کولمبس'' ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی نیا ''براعظم'' ڈھونڈ لاتا ہے۔''۱۸

''نقوش'' کے فقید المثال نمبروں کے بارے میں مالک رام کی یہ رائے بھی نہایت اہم ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اُردو میں بیسیوں رسالے نکلے اور آئندہ بھی نکلتے رہیں گے لیکن یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ آج تک کوئی ایسا رسالہ نہیں نکلا جو ادب کا اور تاریخِ ادب کا حصہ بن گیا ہو۔ ''نقوش'' سے پہلے بھی بعض رسائل نے خاص نمبر نکالے تھے لیکن ''نیرنگِ خیال'' کے ''اقبال نمبر'' اور ''نگار'' کے بعض نمبروں کے سوائے کوئی قابلِ ذکر کام نہیں ہوا۔ ہر ایک رسالے نے یہ کیا کہ عام نمبر کے مختلف اصناف کی مشمولات میں اضافہ کرکے اس کا حجم زیادہ کردیا اور اسے خاص نمبر کا نام دے دیا۔ یعنی عام نمبر کی بہ نسبت افسانے زیادہ ہوگئے یا منظومات زیادہ ہوگئیں، ورنہ اس کی کوئی مستقل یا دیرپا حیثیت نہیں تھی لیکن ''نقوش'' نے یہ کر دکھایا۔

اس کے بعض نمبر تو ایسے ہیں کہ ان سے تاریخ ادب کی ترتیب و تدوین کے لیے بنیادی مواد فراہم ہوتا ہے۔ مثلاً مکاتیب نمبر (۲)، خطوط نمبر (۳)، شخصیات نمبر (۲)، آپ بیتی نمبر (۲)، غالب نمبر (۳)، اقبال نمبر (۳)، بعض مشاہیر سے متعلق خاص نمبر اس کے علاوہ ہیں مثلاً شوکت تھانوی نمبر، منٹو نمبر، پطرس نمبر، ان احباب سے متعلق مکمل نمبر شایع ہوئے۔

غرض یہ بات پورے یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ جو اندیشہ محمد طفیل کے ''نقوش'' کی ادارت ہاتھ میں لیتے وقت ان کے بعض احباب نے ظاہر کیا تھا، نہ صرف وہ بالکل غلط ثابت ہوا بلکہ انھوں نے ایسی غیر معمولی کامیابی حاصل کی کہ ''نقوش'' اور ''ادبی صحافت'' کو چار چاند لگ گئے اور ''نقوش'' اور ''طفیل'' مرادف کے طور پر استعمال ہونے لگے۔''[۱۹]

''نقوش'' کے خاص نمبروں میں اصنافِ نظم و نثر میں مشہور اصناف مثلاً: افسانہ، غزل، طنز و مزاح، آپ بیتی اور مکاتیب پر خصوصی توجہ ملتی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ نمبر افسانے پر شایع کیے گئے ہیں جن کی تعداد چھ ہے۔

''نقوش'' کے افسانہ نمبر

محمد طفیل کی زیرِ ادارت ''نقوش'' کا پہلا ''افسانہ نمبر'' ستمبر، اکتوبر ۱۹۵۲ء میں شمارہ نمبر ۲۵۔۲۶ کی صورت میں منظرِ عام پر آیا۔ اس نمبر میں وقار عظیم اور محمد حسن عسکری کے مقالات کے علاوہ جن افسانہ نگاروں کو نمائندگی دی گئی ان میں احمد ندیم قاسمی، علی عباس حسینی، تسنیم سلیم چھتاری، سعادت حسن منٹو، حیات اللہ انصاری، عزیز احمد، ممتاز مفتی، محمد علی ردولوی، ہاجرہ مسرور، شوکت تھانوی، خدیجہ مستور، حجاب امتیاز علی، مہندر ناتھ، اشفاق احمد، انتظار حسین، عادل رشید، کرشن چندر، خواجہ احمد عباس، عصمت چغتائی، قدرت اللہ شہاب، شفیق الرحمٰن، ضمیر الدین احمد، خلیل احمد، ابوالخطیب اور ابن الحسن شامل ہیں۔ ان نئے اور پرانے افسانہ نگاروں کے افسانوں کے علاوہ مختلف زبانوں کے افسانوں کے تراجم بھی پیش کیے گئے۔ اس اولین ''افسانہ نمبر'' کے ''طلوع'' میں محمد طفیل نے لکھا:

''آج کل افسانے بہت کم لکھے جارہے ہیں، اس لیے ہم نے افسانہ نمبر پیش کرنا چاہا۔ ...نقوش کی اس بزم میں ترقی پسند و ''غیر ترقی پسند'' نئے اور پرانے سبھی

افسانہ نگاروں کو ساتھ ساتھ لا بٹھایا ہے۔ ہمارے نزدیک تو یہ بھی اس شمارہ کی خصوصیت ہے۔ حصہ تراجم پر بھی خاص توجہ دی گئی ہے۔ پھر بھی یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ہم نے ہر زبان کی بہترین کہانی پیش کر دی۔ عرض صرف یہ کرنا ہے کہ ہم نے معیاری کہانیاں پیش کی ہیں۔'' [۲۰]

''نقوش'' کا دوسرا ''افسانہ نمبر'' جنوری ۱۹۵۴ء (شمارہ نمبر ۳۷۔۳۸) میں شائع ہوا۔ اس نمبر میں بیشتر افسانہ نگار وہی ہیں جو پہلے نمبر میں شامل تھے تاہم جن افسانہ نگاروں کا اضافہ کیا گیا ہے ان میں بلونت سنگھ، دیوندر ستیارتھی، کنہیا لال کپور، سہیل عظیم آبادی، اے حمید، ابراہیم جلیس، ڈاکٹر احسن فاروقی، دیوندراسر، جیلانی بانو، آغا بابر، غلام علی چودھری، اختر اورینوی، ابوالفضل صدیقی، شوکت صدیقی، کشمیری لال ذاکر، انور عظیم، صادق حسین اور چاند بی بی شامل ہیں۔ اس نمبر کی خاص بات ''اُردو افسانے میں روایت اور تجربے'' کے عنوان سے وہ سمپوزیم ہے جس کے شرکاء میں سید وقار عظیم، ڈاکٹر عبادت بریلوی، سعادت حسن منٹو، احمد ندیم قاسمی، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور، انتظار حسین اور حمید اختر جیسے نام آتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر سلیم اختر ''اس سمپوزیم کی برجستہ گفتگو میں جس بے تکلفانہ انداز سے معاصرین کے فن پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے اس کی بنا پر یہ خاصہ کی چیز بن جاتا ہے۔'' [۲۱]

''طلوع'' میں محمد طفیل نے اُردو افسانہ کے زوال کا ذکر کرتے ہوئے اس ''افسانہ نمبر'' کو ایک معجزہ قرار دیا ہے جس میں ایک بڑی تعداد میں افسانے جمع کر دیے گئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''یوں تو پورا ادب ہی انحطاط پذیر ہے لیکن سب سے زیادہ زوال جس صنفِ ادب پر آیا وہ افسانہ ہے۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے کے افسانوی ادب پر نظر دوڑایئے تو آپ کو آج کا افسانوی ادب بڑا بے جان اور بے روح نظر آئے گا۔ گو لکھنے والے آج بھی وہی ہیں لیکن ان کے قلم کچھ تھکے تھکے سے ہیں۔ بیشتر لکھنے والوں نے ماحول سے سمجھوتہ کر کے لکھنا ہی ترک کر دیا ہے۔ ایسے ادب کش ماحول میں ہمارا یہ نمبر ایک معجزہ ہی تو ہے۔ معجزے کے لفظ سے ہم پر تعلّی کا الزام نہ دھریے گا جب کہ ہم آج بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔'' [۲۲]

''نقوش'' کا تیسرا افسانہ دسمبر ۱۹۵۵ء میں شمار ۵۳۔۵۴ میں دو جلدوں میں صورت پذیر ہوا۔ اس نمبر کو محمد طفیل کا ایک کارنامہ شمار کیا جا سکتا ہے۔ جس میں انھوں نے اُردو کی معروف داستانوں سے آغاز کرتے ہوئے ۱۹۵۵ء تک کے اہم افسانہ نگاروں کی صورت میں

اُردو افسانہ کی داستان سے وابستہ بنیادی اور اہم کڑیاں جوڑ دی ہیں جس سے اُردو فکشن کے ڈیڑھ سو سالہ نقوش نمایاں ہوجاتے ہیں۔ اُردو کی پہلی کہانی، طویل مختصر داستانوں کا دور۔ ناولوں کا دور۔ ترجموں کا دور۔ افسانوی مضامین کا دور اور اس کے بعد اُرو افسانہ کے پانچ ادوار متعین کیے گئے ہیں جن میں تاریخی اہمیت کی بنا پر ''انگارے'' کا ایک دور بنایا گیا ہے۔ ان مختلف ادوار میں ۷۷ افسانہ نگاروں کے ۷۹ شاہکار افسانے شامل کیے گئے ہیں۔ بقول ڈاکٹر سلیم اختر:

> ''بعض تو ایسے افسانے ہیں جو افسانوی ادب میں اب حوالہ کی چیز بن چکے ہیں۔ اگر محمد طفیل نے مزید افسانہ نمبر نہ بھی نکالے ہوتے تو بھی صرف یہی ایک افسانہ نمبر اُردو افسانہ کے روشن چراغ اور سنگِ میل دکھانے کو کافی ہے۔'' ۲۳

اس نمبر میں اُردو افسانے کے حوالے سے مختلف موضوعات پر محمد حسن عسکری، ممتاز شیریں، ڈاکٹر عبادت بریلوی اور سید وقار عظیم کے وقیع مقالات بھی شامل کیے گئے ہیں جو اُردو افسانے کی تنقید میں آج بھی نہایت اہم مقام کے حامل ہیں۔ اس ''افسانہ نمبر'' میں ''طلوع'' کے علاوہ محمد طفیل کا ایک مختصر نوٹ بھی شامل ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ پرچے کی ترتیب اور افسانوں کے چناؤ میں کرشن چندر، غلام عباس، احمد ندیم قاسمی، وقار عظیم، احتشام حسین، عبادت بریلوی اور محمد حسن عسکری کے مشورے بھی شامل رہے ہیں۔ افسانوں کے انتخاب کے سلسلے میں انھوں نے اپنی مکمل غیر جانبداری کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''نظریاتی اختلاف کے باوجود میں نے کسی بھی افسانہ نگار کو نظر انداز کرنے کی کوشش نہیں کی ہے نہ ہی کسی کے فنی اعتبار سے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ اپنے ذمہ لیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ پڑھے لکھوں کا ایک طبقہ اس قدر فراخ دلی کو عیب کا درجہ دے دے لیکن میں اپنی جگہ مطمئن ہوں۔ اس لیے کہ کسی صنفِ ادب کے انتخاب میں جو مرتب کے فرائض ہونے چاہئیں، ان سے (شاید) پوری طرح عہدہ برآمد ہوا ہوں۔'' ۲۴

''نقوش کا چوتھا ''افسانہ نمبر'' نمبر ۱۹۶۰ء (شمارہ ۸۵۔۸۶) میں شایع ہوا۔ اس نمبر کی خاص بات راجندر سنگھ بیدی کا ناولٹ ''ایک چادر میلی سی'' ہے جو پہلی بار اس نمبر کے ذریعے منظرِ عام پر آیا اور اس کے بارے میں محمد طفیل نے ''طلوع'' میں لکھا کہ:

"راجندر سنگھ بیدی کا ناولٹ معرکے کی چیز ہے۔ قیام پاکستان کے بعد تو انھوں نے دو چار ہی چیزیں لکھی ہیں اور ان میں بھی یہ سب سے جاندار، چھپتے ہی ضرور واہ واہ ہوگی اور جنھیں پنجاب کے کلچر سے دلچسپی ہوگی وہ تو واری نثاری ہو ہو جائیں گے۔" [۲۵]

اس افسانہ نمبر میں ۳۲ افسانے، دو طویل مختصر افسانے، تین ناولٹ، ایک ڈراما اور دو رپورتاژ شامل ہیں اور لکھنے والوں میں وہ تمام بڑے نام شامل ہیں جن کے بغیر اُردو افسانے کی تاریخ مکمل نہیں ہوتی۔

"نقوش" کا پانچواں "افسانہ نمبر" نومبر ۱۹۶۸ء (شمارہ ۱۱۰) میں اور چھٹا "افسانہ نمبر" ستمبر ۱۹۷۴ء (شمارہ ۱۱۹) میں منظرِ عام پر آئے۔ مجموعی طور پر ان تمام افسانہ نمبروں میں ۱۳۰۵ افسانے، رپورتاژ اور ناولٹ شایع ہوئے۔ ان افسانہ نمبروں کو اُردو افسانے کا عطر کہا جاسکتا ہے۔ ان نمبروں میں محمد طفیل نے بڑے نام ہی شامل نہیں کیے بلکہ جونیئر افسانہ نگاروں اور جدید رجحانات کو بھی مناسب نمائندگی دینے کی سعی کی ہے۔ بقول ڈاکٹر سلیم اختر:

"نقوش" کے یہ افسانہ نمبر ایک ایسا پل بن جاتے ہیں جن کا ایک سرا بزرگوں کی تخلیقات پر استوار ہے تو دوسرا جدید رجحانات اور نئے میلانات کے جلو میں گم۔" [۲۶]

"نقوش" کا غزل نمبر:

"نقوش" کے تین "غزل نمبر" بھی معرکے کی چیز ہیں۔ پہلا "غزل نمبر" مئی۔ جون ۱۹۵۴ء (شمارہ ۴۱-۴۲) میں شایع ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اگلا شمارہ ۴۳-۴۴، جولائی، اگست ۱۹۵۴ء میں "ضمیمہ غزل نمبر" کے طور پر شایع ہوا۔ جب کہ فروری ۱۹۶۰ء میں شمارہ ۸۹ ترمیم و اضافہ کے ساتھ بھرپور ضخامت میں شایع ہوا۔ ان تین غزل نمبروں کو دراصل "غزل نمبر" کے تین ایڈیشن کہنا چاہیے جس کی صراحت خود محمد طفیل نے ان الفاظ میں کی ہے:

"...۱۹۵۴ء میں، میں نے غزل نمبر کے نام سے "نقوش" کا ایک نمبر شایع کر دیا جو خلافِ امید اتنا مقبول ہوا کہ میں "حیران" رہ گیا تھا۔ معلوم ہوا ابھی میری طرح کے صاحبانِ دل موجود ہیں۔ جی بہت خوش ہوا۔

۱۹۵۶ء میں جب میں نے اس کا دوسرا ایڈیشن شایع کیا تو اسے اور "معتبر" بنانے

کے لیے غزل سے متعلق، بڑا کار آمد قسم کا، نثر کا حصہ بھی شامل کر دیا اور ساتھ ہی
جو جو کام کے شعراء، پہلے ایڈیشن میں رہ گئے تھے۔ انھیں بھی ڈھونڈ نکالا۔ پہلے
شمارہ کی ضخامت ۴۸۰ صفحات تھی۔ دوسرے ایڈیشن کی نوبت ۶۵۰ صفحات تک
جا پہنچی۔ موجودہ ایڈیشن (تیسرا) کی ضخامت ۷۵۲ صفحات ہے۔ (پہلے ایڈیشن میں
۳۱۸ شعراء کا کلام درج تھا۔ دوسرے ایڈیشن میں ۳۶۶ شعراء کا اور موجودہ
ایڈیشن میں ۴۷۰ شعراء کا کلام پیش کیا جارہا ہے) غرض میں نے جس کام کو
پہلے پہل ہنسی مذاق میں کیا تھا۔ اسے اب پوری توجہ اور سنجیدگی سے نبھانا پڑا۔
میرے ذہنی ترازو کے مطابق، اب تو یہ نمبر ایک کار آمد قسم کا تذکرہ اور بے شمار
دوستوں کے دل کی دھڑکن بن جائے گا۔'' ۲۷

اکتوبر ۱۹۵۸ء میں غزل نمبر کی چوتھی اشاعت منظرِ عام پر آئی تو تیسرے ایڈیشن (فروری ۱۹۶۰ء) میں کوئی ردوبدل نہیں کیا گیا تھا۔ صرف صفحات کی از سر نو ترتیب لگانے کی وجہ سے صفحات کے نمبر تبدیلی ہو گئے۔ صفحات کی تبدیلی کے علاوہ تیسرے اور چوتھے ایڈیشن مین کوئی فرق نہیں ہے۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا یہاں یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ:

''یہ بات بظاہر بڑی حیران کن ہے کہ پچیس برسوں کے بعد شایع ہونے والا
ایڈیشن ترمیم و اضافہ سے قطعی محروم رہا، حالانکہ پچیس برسوں میں ایک نئی نسل جوان
ہوجاتی ہے اور نوجوان شعراء پختہ کار ہوجاتے ہیں۔'' ۲۸

تاہم اس کا جواب وہ محمد طفیل ہی کے الفاظ میں تلاش کرتے ہیں۔ محمد طفیل لکھتے ہیں:

''اس نمبر کا پہلا ایڈیشن ۱۹۵۴ء میں چھپا تھا۔ اس وقت جو شعراء اپنی شاعری کے
ابتدائی مراحل میں تھے وہ آج بفضلِ خدا نمایاں شاعر ہیں، بڑا مرتبہ رکھتے ہیں۔
ضرورت تھی کہ آج کے حالات میں، آج کی تاریخوں میں نیا غزل نمبر ترتیب دیا
جائے۔ سو وہ کام بھی ہم نے کر رکھا ہے۔ مگر اس کی ضخامت خاصی بڑھ گئی ہے۔
ان شاء اللہ وہ مجموعہ بھی صنفِ شاعری میں قابلِ ذکر مقام رکھے گا۔ مگر وہ نمبر
موجودہ نمبر سے خاصا مختلف ہوگا۔ ہونا بھی چاہیے۔ بس ذرا صبر۔'' ۲۹

لیکن افسوس محمد طفیل کا یہ منصوبہ تشنۂ تکمیل رہ گیا اور وہ سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئے۔

''غزل نمبر'' کا چوتھا ایڈیشن، جو پہلے ایڈیشنوں کے تسلسل میں زیادہ جامع ہے، آٹھ حصوں پر مشتمل ہے جنھیں ''اساتذہ غزل''، ''متغزلین جدید''، ''اساتذہ غزل۔۲''، ''متغزلین جدید۔۲''، ''غزل قدیم''، ''غزل جدید''، ''مینائے غزل'' اور ''اختتامیہ'' کے

عنوانات دیے گئے ہیں۔ یہ عہد بہ عہد غزل کے بدلتے ہوئے رجحانات کی عکاسی کرتا ہے۔ ''اساتذہ غزل'' کے عنوان سے پہلے حصے میں ولی دکنی سے لے کر اثر لکھنوی تک ۳۵ شعرا کا کلام درج ہے۔ اس حصے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بعض شعراء مثلاً مصحفی اور میر حسن کا غیر مطبوعہ کلام بھی شامل کیا گیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ مدیر ''نقوش'' کی رسائی غیر مطبوعہ کلام تک بھی تھی۔ دوسرے حصے ''متغز لین جدید'' میں ان شعراء کو نمائندگی دی گئی ہے جو عہد اقبال کے بعد نمایاں ہوئے۔ اس حصے میں ۲۶ شعراء شامل کیے گئے ہیں۔ ''اساتذہ غزل۔۲'' کے عنوان سے تیسرے حصے میں سراج اورنگ آبادی سے لے کر تلوک چند محروم تک کی غزلیں شامل ہیں اور شعراء کی تعداد ۶۷ ہے۔

''متغز لین جدید۔۲'' کے زیرِ عنوان چوتھے حصے میں دورِ حاضر کے وہ شعراء شامل ہیں جو مرتب کے نزدیک دوسرے درجے میں شمولیت کے مستحق ہیں۔ ان شعراء کی تعداد ۴۱ ہے۔ ''غزل قدیم'' کے عنوان سے پانچویں حصے میں ۱۰۹ ایسے شعراء شامل ہیں جو کلاسیکی انداز میں لکھنے والے ہیں اور اس سے پہلے کے کسی حصے میں بار نہیں پا سکے۔ ''غزلِ جدید'' کے عنوان سے چھٹے حصے میں دورِ جدید کے وہ تمام شعراء شامل کیے گئے ہیں جو ''متغز لین جدید۔۲'' والے حصے میں شامل نہیں کیے گئے۔ ان شعراء کی تعداد ۲۲ ہے۔ ''مینائے غزل'' کے عنوان سے ساتویں حصے میں ماضی و حال کی ۱۷ شاعرات کا کلام شامل ہے۔ ''اختتامیہ'' کے عنوان سے آٹھواں اور آخری حصہ ۱۵۲ جدید و قدیم شعراء کی غزلوں پر مشتمل ہے۔

''غزل نمبر'' کے اس ایڈیشن میں تقریباً ۲۰۰ صفحات کا حصہ نثر بھی شامل ہے۔ یہ حصۂ نثر چار ذیلی حصوں میں منقسم ہے۔ حصہ اوّل میں صنف غزل اور اس کے ارتقاء پر ۱۷ ناقدین کی آراء پیش کی گئی ہیں جن میں حالی سے لے کر سردار جعفری تک مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے نقادانِ فن موجود ہیں۔ دوسرے حصے میں اساتذۂ غزل کے بارے میں تذکرہ نگاروں کی آراء پیش کی گئی ہیں۔ ان میں شمس الدین ولی سے لے کر سیماب اکبر آبادی تک ۱۷ شعراء کے بارے میں فارسی اور اُردو میں آراء درج ہیں۔ تیسرا حصہ ''اُردو غزل کا مستقبل'' کے عنوان سے ایک سمپوزیم پر مشتمل ہے جس میں چراغ حسن حسرت، عبدالمجید سالک، ابواللیث صدیقی، وقار عظیم، عبادت بریلوی، حفیظ جالندھری، حامد علی خان، صوفی تبسم، احمد ندیم قاسمی، سبطِ حسن، احسان دانش، ظہیر کاشمیری اور حبیب اشعر جیسے اہلِ علم و فن موجود ہیں۔ آخری حصہ

غزل نمبر میں شامل کیے گئے شعراء کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ہے۔ ان میں سے بیشتر شعراء کے حالات محمد اسمٰعیل پانی پتی نے تحریر کیے ہیں جبکہ بعض شعراء کے حالات محمد عبداللہ قریشی نے لکھے ہیں:

> ''نقوش'' کے اس ''غزل نمبر'' کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اُردو غزل کی تین سو سالہ تاریخ کو نہایت سلیقے اور ہنر مندی سے سمیٹ لیا گیا ہے۔ اس نمبر سے محمد طفیل کے ذوقِ شعر کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ انھوں نے جس وقتِ نظری اور قرینے سے شعراء کے کلام کا انتخاب کیا ہے اس پر حرف زنی کی بہت کم گنجائش نکلتی ہے۔ محمد طفیل ''غزل نمبر'' کے تیسرے ایڈیشن کے ''طلوع'' میں لکھتے ہیں' کچی عمر کی بات ہے کہ جب مجھے معاملات حسن و عشق کا کچھ بھی پتہ نہ تھا (پتہ تو خیر اب بھی نہیں ہے) میں نے ایک بڑی خوبصورت کاپی خریدی تھی اور اس کے پہلے صفحے پر لکھا تھا۔
>
> کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
> شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے
>
> بعد کے صفحات میں، وہ تمام اشعار لکھے تھے جو مجھے کسی نہ کسی وجہ سے پسند آ گئے تھے۔ بچپنے کی علت نے ''بڑھاپے'' میں بھی پیچھا نہ چھوڑا...'' ۳۰

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا اسی واقعے کو ''غزل نمبر'' کا جواز بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اگر وہ بقول خود کچی عمر میں غزل کے من پسند اشعار جمع کرنے کے لیے ایک خوبصورت بیاض خرید سکتے ہیں تو اس بات پر بھی تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ انھیں عمر بھر غزل کے اشعار سے محبت رہی ہوگی۔ اس محبت کا عملی ثبوت ''نقوش'' کا غزل نمبر ہے۔ جس نے عام قاری کو دوبارہ غزل کی طرف مائل کیا اور خواص کو اس بات کا یقین دلایا کہ ''غزل'' کا دور گزرا نہیں ہے بلکہ غزل اُردو شاعری کی واحد صنف ہے جو ہر دور میں مقبولیت کی معراج پر رہی اور آئندہ بھی رہے گی۔'' ۳۱

''نقوش'' کا طنز و مزاح نمبر:

''نقوش'' کا شمارہ نمبر ۷۱۔۷۲، ''طنز و مزاح نمبر'' کی صورت میں ۱۹۵۹ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس پر جنوری، فروری کے مہینے درج ہیں۔ صفحات کی تعداد ۹۲۸ ہے۔ اس نمبر میں طنزیہ و مزاحیہ ادب کی سوا سو سالہ تاریخ ترتیب دی گئی ہے۔ اس کا شمار نقوش کے یادگار اور

زندہ رہنے والے نمبروں میں ہوتا ہے۔ یہ نمبر بارہ مختلف عنوانات کے تحت ممکن حد تک مزاحیہ ادب کی تمام جزئیات کو محیط ہے۔ محمد طفیل نے ''طلوع'' میں خود ان کی تفصیل بیان کی ہے۔ یہ تفصیل انھی کے قلم سے ملاحظہ ہو:

''۱۔ مضامین: اس عنوان کے تحت اب تک جتنے بھی کارآمد مضمون چھپے تھے وہ سب برآمد کیے۔ جو گوشے تشنہ رہے ان پر نئے مضمون لکھوائے۔ اب یہ حصہ اتنا مکمل ہے کہ اس موضوع پر اس سے بھی زیادہ کیا ہوتا۔ اس حصے میں کلیم الدین احمد جیسے پڑھے لکھے انتہا پسند بھی ہیں (جو میں نہ مانوں، میں نہ مانوں قسم کی تنقید کے امام ہیں) ڈاکٹر خورشید الاسلام ایسے نکتہ شناس بھی اور ڈاکٹر اعجاز حسین ایسے اعتدال پسند بھی اور پروفیسر علم الدین سالک ایسے عالم بھی۔ غرض اس حصے میں جتنے بھی مقالہ نگار ہیں۔ انھوں نے اس موضوع کو پانی کر دیا ہے۔ واضح رہے کہ ہم نے پانی پھیر دیا ہے نہیں کہا۔

۲۔ دنیا کی بڑی زبانوں کا طنزیہ و مزاحیہ ادب۔ ہمارے بعض مزاح نگار بدنام ہیں کہ انھوں نے فلاں انگریز مصنف کا ترجمہ اپنے نام سے کر ڈالا۔ فلاں نے فلاں فرانسیسی ادیب کی تخلیق کو اپنے الفاظ میں ڈھال دیا۔ فلاں فارسی کے مصنف کا لفظی ترجمہ فلاں صاحب نے کر ڈالا۔ یہ باتیں سچی ہیں یا جھوٹی، اس بحث میں خواہ مخواہ الجھ کر کیوں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنے کی ٹھانیں۔ ہمیں عرض صرف یہ کرنا ہے کہ انگریزی اور فارسی کا اُردو مزاح نگاری پر بڑا اثر ہے، بڑا ہی اثر ہے۔ ہمارے ادیب ان زبانوں سے متاثر ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے انگریزی، فارسی اور فرانسیسی کے علاوہ دنیا کی دیگر بڑی بڑی زبانوں کے بھی تراجم پیش کر دیے ہیں تا کہ یہ تراجم پس منظر کا کام دیں یا نہ دیں، دنیا کے طنزیہ و مزاحیہ ادب کا تو ہلکا سا تصور سامنے آجائے۔

۳۔ طنزیہ و مزاحیہ ادب کے ابتدائی نمونے۔ یوں تو شروع سے لے کر اب تک سینکڑوں ہی مزاحیہ پرچے نکلے ہیں۔ بلکہ ایک علامہ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اودھ پنچ سے پہلے ڈیڑھ سو سے زیادہ پنچ اخبار نکلا کرتے تھے۔ بہر حال ہم نے بھی محنت سے کچھ ابتدائی نمونے اکٹھے کیے ہیں۔ ان سے بس اتنا ہی اندازہ ہوسکتا ہے کہ پہلے پہل نثر میں کس معیار کی چیزیں لکھی جاتی تھیں۔ ان میں سے کچھ تو نمونے اودھ پنچ سے پہلے کے ہیں، کچھ اسی دور کے۔

۴۔ اودھ پنچ کا دور۔ اودھ پنچ سے اُردو مزاح نگاری کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

یہ جس معیار کا مزاحیہ پرچہ تھا اس معیار اور انداز کا کوئی دوسرا پرچہ اب تک نہیں نکلا۔ اس پرچے کا کام لوگوں کو صرف ہنسانا ہنسانا نہ تھا بلکہ سیاسی اعتبار سے بھی بیدار کرنا تھا۔ ہمارے نزدیک تو اس پرچے کا زیادہ تر مقصد سیاسی بیداری ہی تھا۔ مگر اس نے آڑلی طنز و ظرافت کی۔ اودھ پنچ کے اب تک جتنے انتخابات چھپے ہیں ہم نے ان سے مدد لی۔ اس کے علاوہ خود بھی اودھ پنچ کی فائلوں میں غوطہ زن رہے۔ ہمارے اس انتخاب میں دوسرے انتخابات سے زیادہ مواد ملے گا اور پھر مختلف۔ ہم نے انتخاب ہی انتخاب پر زور نہیں دیا بلکہ اس پر کہ معلوم ہو سکے کہ اس پرچے کا عام معیار اور انداز کیا تھا اور اس میں کیا کچھ چھپتا تھا۔ اس کمی کو ہمارے علاوہ اب تک کسی نے پورا نہیں کیا۔ اس اخبار کے بارے میں اودھ پنچ ہی کے شاعر کا کہنا، یہ بھی ہے۔

مزا عجب ہے کچھ اس پرچے میں کہ صورتِ طفل
جوان و پیر کے منہ سے ٹپک رہی ہے رال

۵۔ فتنہ اور عطرِ فتنہ۔ یہ پرچے ریاض خیرآبادی نے نکالے اور اودھ پنچ کے زمانے ہی میں نکالے۔ یہ پرچے اودھ پنچ کی ٹکر کے تو نہ تھے مگر ریاض کی شگفتہ بیانیوں نے ان کی حیثیت کو منوا ضرور لیا۔ اودھ پنچ کے ساتھ تو لکھنے والوں کی ایک بہت بڑی ٹیم تھی۔ یہی اس کی جیت بھی تھی، ورنہ اکیلے سجاد حسین کیا کرتے۔ مگر ادھر قریب قریب ریاض اکیلے ہی تھے۔ ان پرچوں کے بارے میں بھی ہماری یہی کوشش رہی کہ ان پرچوں کے انتخاب سے زیادہ اس پرچے کے عام معیار اور روش کا اندازہ ہو سکے۔ بہر حال طنز و مزاح کے سلسلے میں ان پرچوں کو کوئی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ جب خضر صورت ریاض نے اپنے آپ کو بھی نہ بخشا ہو تو اوروں کی تو بات ہی جانے دیں۔ اگر آپ نے ریاض کی تصویر دیکھی ہے تو پھر ان کا یہ شعر بھی دیکھیے۔

بڑے نیک طینت، بڑے صاف باطن
ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

۶۔ شیرازہ۔ اودھ پنچ سے زیادہ سنجیدگی اور رکھ رکھاؤ فتنہ اور عطرِ فتنہ میں تھا اور فتنہ، عطرِ فتنہ سے زیادہ شیرازہ میں۔ چراغ حسن حسرت جیسے بالغ نظر اور بذلہ سنج اس کے مدیر تھے۔ یہ پرچہ اودھ پنچ کے کوئی نصف صدی کے بھی بعد نکلا۔ اتنا نکھار اور بانکپن، کچھ تو دیا وقفے نے اور کچھ حسرت صاحب کی عبقریت نے۔ اس پرچے میں زیادہ تر حسرت صاحب ہی چھائے رہے۔ اگر فتنہ، عطرِ فتنہ ریاض کی وجہ سے

مقبول ہوا تو شیرازہ حسرت صاحب کی وجہ سے۔ بہر حال اسے یہ امتیاز ضرور حاصل رہا کہ اس کی ہر بات میں وقار اور اس کی ہر چیز میں فنی اور علمی شان تھی۔
حسرت صاحب نثار کی حیثیت ہی سے زیادہ ابھرے مگر جب کبھی وہ نظم میں کچھ کہہ گئے ہیں تو وہ بھی مزے کی چیز ہو گئی۔ مثلاً اتحاد پارٹی کی شان میں۔

تیرے گورے گورے گال، اتحاد پارٹی
تیرے لمبے لمبے بال، اتحاد پارٹی وغیرہ

۷۔ طنزیہ و مزاحیہ ادب کا دور۔ جس ادیب نے بھی نثر میں لکھا ہے اس کے ہاں ڈھونڈے سے شگفتہ، طنزیہ اور مزاحیہ چیزیں مل ہی جاتی ہیں۔ جب مصور غم علامہ راشد الخیری کے ہاں بھی اس نوع کی چیزیں مل جاتی ہیں تو پھر اور کون پیچھے رہا ہوگا۔ ہم نے اس سلسلے کو غالب سے شروع کیا ہے اور یہ چاہا ہے کہ جن کی تحریروں میں اس موضوع سے متعلق نمایاں حصہ ہو صرف انھی کو لیا جائے۔ اس حصے میں بڑے بڑے ادیبوں کے نام سامنے آتے ہیں مگر سب کے سب باقاعدہ قسم کے طنز نگار یا مزاح نگار نہ تھے۔ اگر ہم ان میں سے کچھ کو چھوڑ دیتے تو اس موضوع کی ارتقائی کڑیاں ملانے میں دشواری ہوتی۔ بہر حال اس حصے میں جو کچھ ہے وہ سب کا سب تبرک نہیں ہے، کام کی چیزیں ہیں۔ انھی سے بعد کے مزاح نگاروں کو نئی راہیں ملی ہیں۔

۸۔ طنزیہ و مزاحیہ ادب کا زریں دور۔ ہم چونکہ خود اس دور سے گزر رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے سے ذرا پہلے دور ہی کو طنزیہ و مزاحیہ ادب کا زریں دور سمجھتے ہیں۔ جب اس دور میں پطرس، فرحت اللہ بیگ، عظیم بیگ چغتائی، چراغ حسن حسرت، عبدالمجید سالک، امتیاز علی تاج اور شوکت تھانوی ہوں تو ہم کیوں نہ اس دور کو زریں دور کہیں۔ یہ حصہ پطرس سے شروع ہو کر زمانہ حال کے لکھنے والوں تک آ جاتا ہے۔

۹۔ اُردو کے طنزیہ و مزاحیہ شاعر۔ حصہ نظم کے بارے میں فاضل مقالہ نگار محمد عبداللہ قریشی نے ابتدا ہی میں اس کی ترتیب کے بارے میں سب کچھ لکھ دیا ہے۔ اس لیے میں چپ بھی رہوں، جب بھی حرج کچھ نہیں۔ اُردو نثر سے پہلے اُردو نظم میں ہی طنزیہ و مزاحیہ چیزیں ظہور میں آئیں۔ پھر جو جو شاعروں نے گل کھلائے وہ سب ہم پیش کر دیتے تو ڈر تھا کہ بعض نستعلیق قسم کے دوست کہہ دیتے 'ہمارے شاعر بڑے بدمعاش تھے' ہم نے حتی الامکان سبک، پوچ اور لغو شعروں سے اس حصہ کو بچایا ہے اور پھر زمانہ حال کے شاعروں سے زیادہ مرحوم شعراء پر پوری توجہ دی۔ موجودہ

شعراء پر غیر جانبداری سے کام کرنے کا یہ موقع ہے بھی نہیں۔ کون بری بھلی بات سنے۔ آخر میں اس حصے کے بارے میں یہ بات اور سن لیں۔ خوب ہے یہ چیز۔

۱۰۔ مزاحیہ کردار۔ جب تک کوئی بڑا لکھنے والا نہ ہو وہ کسی کردار کو زندہ جاوید بنا ہی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں مزاح نگار پیدا ہوئے مگر وہ سینکڑوں زندہ کردار نہ دے سکے۔ کھینچ تان کر آپ زیادہ سے زیادہ چھ سات کردار پیش کر سکتے ہیں جیسے خوجی، حاجی بغلول، چچا چھکن، میرزا جی اور قاضی جی۔ بس! مجید لاہوری نے کئی کرداروں کو روشناس کرانا چاہا مگر وہ زیادہ کردار روشناس کرانے کی دھن میں مارے گئے۔

۱۱۔ مزاحیہ کالم۔ شروع سے لے کر اب تک اخباروں میں یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ اس کا ایک کالم تو ضرور مزاحیہ ہو، بے شمار اخبار نکلے۔ بے شمار ہی مزاحیہ کالم لکھے گئے۔ اگر ان سب کے مزاحیہ کالموں کو یہاں درج کر دیتے تو وہ بھی ہزاروں صفحوں میں پھیلتے۔ ہم نے صرف چند نمایاں اخباروں کے مزاحیہ اور طنزیہ کالموں کو یہاں جگہ دی ہے۔ یہاں ایک بات کہنے کی ہے۔ نہ کہوں تو کوئی گڑ بڑ بھی نہ ہوگی، وہ یہ کہ یہ کالم بڑے بڑے ادیب ہی لکھتے رہے ہیں۔ ہر کسی کے بس کی بات نہ تھی نہ ہے۔

۱۲۔ ادیبوں کے لطائف۔ یہ موضوع بھی بڑا لمبا چوڑا ہے مگر فاضل مضمون نگار شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی نے تو نمایاں ادیبوں کے اچھے اچھے لطیفے جمع کر دیے ہیں۔ اگر ہمارا پرچہ پہلے ہی زیادہ ضخیم نہ ہو جاتا تو اس موضوع پر اور بھی کچھ پیش کرتے۔''[۳۲]

محمد طفیل نے ''طنز و مزاح نمبر'' کے طلوع میں پورے نمبر کا عطر کھینچ لیا ہے۔ انھوں نے مختصر الفاظ اور جملوں میں اس نمبر کے بارہ حصوں کے متعلق جو تعارف پیش کیا ہے وہ ایک ہنر مند مرتب اور سلیقہ شعار مدیر کا غماز ہے۔ انھوں نے ''نمبر'' کی مناسبت سے اپنی تحریر میں انداز بھی وہی اختیار کیا ہے جس سے ''مزاح'' اور کہیں کہیں ''طنز'' کی جھلک صاف نمایاں ہے۔ محمد طفیل کا یہ لطیف پیرایہ اسلوب بجائے خود ''طنز و مزاح نمبر'' کا ایک قابل ذکر حصہ بن گیا ہے۔

''نقوش'' کا ''طنز و مزاح نمبر'' اس موضوع پر ایک جامع اور مفصل تاریخ کا درجہ رکھتا ہے۔ بقول نثار احمد فاروقی:

''... اُردو میں اب تک طنز و مزاح پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بہت ناکافی ہے۔ نقوش کے طنز و مزاح نمبر نے اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے اتنا کچھ مواد ایک جگہ فراہم کر دیا ہے کہ اس کے سہارے سے طنز و مزاح کی ایک بھرپور

تاریخ لکھی جاسکتی ہے اور نہ بھی لکھی جائے تو یہ نمبر خود اپنی جگہ ایک تاریخ ہے جو
طنز و مزاح کے تدریجی ارتقا کو آئینہ کر دیتی ہے۔'' ۳۳؎

''نقوش'' کا ادب عالیہ نمبر:

''نقوش'' کا ''ادب عالیہ نمبر'' اپریل ۱۹۶۰ء میں شمار نمبر ۷۹۔۸۰ کے طور پر منظرِ عام پر آیا۔ اس نمبر میں ''نقوش'' کے گذشتہ دس برس میں شایع ہونے والے شماروں کو سامنے رکھ کر تخلیقات کا انتخاب کیا گیا ہے۔ ۱۲۷۲ صفحات پر مشتمل اس نمبر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۰ء تک کی دہائی میں تخلیق ہونے والے نمائندہ ادب کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ اور اس دوران میں ابھرنے والے ادبی طرزِ احساس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ ان دس برسوں میں ''نقوش'' نے افسانہ نمبر، شخصیات نمبر، مکاتیب نمبر، طنز و مزاح نمبر، پطرس نمبر کے علاوہ ایک سالنامہ، ایک خاص نمبر اور دس سالہ نمبر بھی شایع کیے۔ چنانچہ ''ادب عالیہ نمبر'' اس اعتبار سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں جملہ اصناف نظم و نثر کا ایک بھرپور اور جامع انتخاب یکجا ہو گیا ہے۔

''نقوش'' کا ''عصری ادب نمبر'':

''نقوش'' کا ''عصری ادب نمبر'' (شمارہ نمبر ۱۲۹) ستمبر ۱۹۸۲ء میں شایع ہوا۔ اس نمبر میں ہم عصر جدید ادباء و شعراء کی تخلیقات شامل ہیں۔ شاعری کی ذیل میں ''نعت'' کے عنوان کے تحت چودہ شعراء کی نعتیں شامل ہیں جب کہ ''نظمیں، غزلیں'' کے عنوان کے تحت ۸۳ شعراء کی منظوم تخلیقات کو جگہ دی گئی ہے۔ نثر کی ذیل میں ''مقالے'' کے عنوان کے تحت ۱۴ مقالات و مضامین شامل ہیں۔ ان مقالات کے لکھنے والوں میں احمد علی، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر اکبر حیدری، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر ملک حسن اختر، ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی، فتح محمد ملک، منظور الٰہی اور طارق عزیز کے نام آتے ہیں۔ جنھوں نے متنوع موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ ان اہلِ قلم نے جن اہم موضوعات پر اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے ان میں ''آرٹ، سیاست اور زندگی''، ''مولانا ابو الکلام آزاد کا بے مثال اسلوب نگارش''، ''ادیب کے فرائض''، ''مخطوطۂ دیوان ترقی''، ''تنقیدی و تحقیقی

موضوعات پر لکھنے کے اصول''، ''فن تاریخ گوئی اور اُردو میں اس کی روایت''، ''تخلیق اور تخلیقی مسائل''، ''سفر نامے کی فنی بحث''، ''عہد محمد شاہ کی لسانی خصوصیات''، ''فیض احمد فیض (ایک جائزہ)''، ''اقبال اور ہماری ثقافتی تشکیل نو''، ''مسجد قرطبہ'' اور ''منٹو کے شاعر دوست'' جیسے تحقیقی اور تنقیدی موضوعات شامل ہیں۔ ''طنز و مزاح'' کے عنوان کے تحت ثاقبہ رحیم الدین، صدیق سالک، سید ضمیر جعفری، فکر تونسوی اور ارشد میر کی تحریریں شامل ہیں۔ ''افسانے'' کی ذیل میں مجنوں گورکھپوری، میرزا ادیب، ممتاز مفتی، منظور الٰہی، شوکت صدیقی، بانو قدسیہ، رحیم گل، ہرچرن چاولہ، جمیل ہاشمی، انور سجاد، اختر جمال، سائرہ ہاشمی، پروین عاطف، حفیظ احسن، ریاض تاثیر، عذرا اصغر، قیوم راہی اور منیر الدین کے افسانے شامل ہیں۔ ''عصری ادب نمبر'' کا ایک حصہ ''بیادِ جوش و فراق و دانش'' کے عنوان سے جوش ملیح آبادی، فراق گورکھپوری اور احسان دانش کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔ جس میں مختلف اہلِ قلم نے ان شعراء عظام کے فن اور شخصیت پر اپنے تاثرات پیش کیے ہیں۔ محمد طفیل نے اس نمبر کے بارے میں تعارفی کلمات پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''اس شمارے کے ٹائٹل پر عصری ادب کا عنوان لکھا ہے۔ بے شک اس موضوع کو ذہن میں رکھ کر پرچہ ترتیب نہیں دیا گیا لیکن اس میں جو کچھ کیا جا رہا ہے۔ وہ ملک کے نمائندہ ادیبوں کی تخلیقات ہیں۔ اس لیے میرے نزدیک یہ نمبر عصری ادب کے عنوان کی لاج رکھ سکتا ہے۔ کیوں کہ عصری ادب حال کے حرفوں کی پونجی ہوتا ہے۔ کچھ لوگ کام کرتے ہیں، کچھ لوگ باتیں کرتے ہیں۔ خوش یہ بھی ہیں۔ خوش وہ بھی ہیں۔ ہمارا شمار کس برادری میں ہوگا۔ ہمیں نہیں معلوم۔ کیوں کہ ہم تو علم حاصل کرنے کے لیے چین کے سفر پر نکلے ہوئے ہیں۔'' [۳۴]

گویا مجموعی اعتبار سے یہ نمبر نوے کی دہائی میں موجود ادیبوں اور شعراء کی تخلیقات پر مشتمل ہے جسے محمد طفیل نے نمائندہ ادیبوں میں شمار کیا ہے۔

''نقوش'' کا ادبی معرکے نمبر:

''نقوش'' کا ''ادبی معرکے نمبر'' اُردو ادب کی تاریخ میں ایک لازوال حیثیت کا حامل ہے۔ محمد طفیل نے پہلی بار اس موضوع کو اہمیت دی اور اس پر دو جلدوں میں ایک شاہکار نمبر

پیش کیا۔ یہ نمبر (شمارہ نمبر ۱۲۷) ستمبر ۱۹۸۱ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس کے صفحات کی تعداد ۱۲۸۸ تھی اور یہ اپنے مندرجات کے حوالے سے بے مثال تھا۔ اس نمبر کی پہلی جلد میں پانچ ابواب قائم کیے گئے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

باب اوّل: زبان کے نام پر معرکے

باب دوم: بہ سلسلہ زبان، صوبوں کے نام پر معرکے

باب سوم: تحقیق کے نام پر معرکے

باب چہارم: شعروادب کے نام پر معرکے

باب پنجم: موضوع زیرِ بحث پر مقالے

جلد دوم کے مشمولات درج ذیل ہیں۔

ادبی معرکے پر تبصرہ (ادارہ)

شخصی معرکے (۱)

شخصی معرکے (۲) معرکۂ سخن

معرکہ آرائی پر ایک ابتدائی کتاب

جلد اوّل کے باب اوّل، ''زبان کے نام پر معرکے'' میں اُردو، ہندی، ہندوستانی نیز اُردو اور دیوناگری رسم الخط کے بارے میں آٹھ مضامین ہیں۔ ان مضامین میں مختلف عمائدین کے نظریات کو زیادہ تر انھی کے الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔

باب دوم، ''بہ سلسلہ زبان صوبوں کے نام پر معرکے'' میں پنجاب، دکن، گجرات، مدراس، دلی، بہار، بنگال اور میسور میں اُردو زبان و ادب کے ارتقاء کی مختصر کہانی بیان کی گئی ہے۔ یہ باب اُردو زبان کے ضمنی مراکز کے سلسلے میں معلومات کا ایک خزینہ ہے۔

باب سوم، ''تحقیق کے نام پر معرکے'' میں چار مضامین میں ''نواحِ دہلی کی اُردو کی دو قدیم کتابیں'' اور ''مرزا محمد حسن قتیل کا وطن'' خالص ادبی تحقیقی مضامین ہیں۔ ''ہجری و عیسوی تاریخوں کی مطابقت'' ایک مفید علمی مضمون ہے۔ ''ملتان سے لکھنؤ'' چند منتشر تحریروں پر مشتمل ہے جس میں رباعی کے اوزان کی بحث کو جگہ دی گئی ہے۔

باب چہارم، ''شعروادب کے نام پر معرکے'' میں شامل ۱۳ مضامین زبان، محاورہ، روزمرہ، فن شعر، بلاغت، عروض، ادبی استفسارات اور جوابات وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان مضامین میں بیسویں صدی کے نصف اوّل کی شعری و لسانی بحثیں ملتی ہیں۔ ان مضامین کی اہمیت و افادیت کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں:

''یہ مضامین نہیں خالص سونا ہیں، لعل و الماس ہیں۔ ہر مضمون اتنا پر مغز ہے کہ ہر قاری کی معلومات میں تھوڑا نہیں، بہت کچھ اضافہ کرے گا۔ ماضی کے شعور فن و زبان سے متعلق یہ معلومات ایسا گنجینہ ہیں جو ہمارے دور کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ ''نقوش'' کا یہ باب یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل کر دینا چاہیے ... ادبی معرکے کی دونوں جلدوں میں یہ باب بیت الغزل ہے اس کی جس قدر بھی داد دی جائے کم ہے۔ نقوش نے ان آثار گم شدہ کی بازیافت کر کے کتنی بڑی خدمت انجام دی ہے۔'' ۳۵

جلد اوّل کے باب پنجم ''موضوع زیر بحث پر مقالے'' میں ادبی معرکوں سے متعلق تین مضامین ہیں۔ پہلے مضمون ''ادبی معرکوں کی روایت (ڈاکٹر محمد یعقوب) میں اوّلاً فارسی شعراء کی معرکہ آرائیوں کا ذکر ہے ثانیاً اُردو شعراء کی معرکہ آرائیوں کو بیان کیا گیا ہے۔ دوسرا مضمون ''ادبی معرکوں کی کہانی'' (امیر حسن نورانی) میں محض اُردو شعراء کی معرکہ آرائیوں کو موضوع بنایا گیا ہے جب کہ تیسرے مضمون ''فارسی شعراء کی معرکہ آرائیاں'' (ڈاکٹر عبدالحمید یزدانی) میں فارسی شعراء کا ذکر ہے۔

''ادبی معرکے نمبر'' کی دوسری جلد کے آغاز میں ''ادبی معرکوں پر تبصرہ'' (ادارہ) کے عنوان سے ایک طویل مضمون شامل ہے۔ اس کے بعد ''شخصی معرکے'' کی ذیلی سرخی کے تحت اساتذۂ سخن کے ادبی معرکوں کا احوال مختلف مضامین کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ ان معرکہ آراؤں میں میر، سودا، مصحفی، انشا، غالب، ذوق، شاہ نصیر، ناسخ، عبدالغفور نساخ، انیس و دبیر، شرر و چکبست، جلال، تسنیم اور دلا، حالی و شبلی، اقبال، ریاض خیر آبادی، جلال لکھنوی، شوق نیموی، مولانا ظفر علی خاں، ابوالکلام آزاد اور عبدالماجد دریا بادی، اثر لکھنوی، حسرت و تاثیر اور جوش و شاہد کے نام شامل ہیں۔

''شخصی معرکے'' (معرکہ سخن) کی ذیل میں مولانا عبدالباری آسی کے رسالہ ''سخنور'' کے ایک باب (''معرکہ سخن'' جس میں وہ شعراء کے مناظرے، اعترافات اور جوابات درج کرتے اور آخر میں ہر اعتراض کے متعلق بطور حکم اپنی رائے پیش کرتے تھے۔ بعد میں ان مطالب کو جمع کر کے ''تذکرۂ معرکہ سخن'' شایع کر دیا گیا) کی تلخیص شامل کی گئی ہے۔ جس کے

بعد ''محاکمہ معرکہ سخن'' کے نام سے ایک مضمون میں مولانا آسی کے بعض فیصلوں سے اختلاف کیا گیا ہے۔

فہرست کے آخر میں ''ایک فارسی معرکے کا بیان'' درج ہے۔ خان آرزو نے شیخ علی حزیں کے کلام پر اعتراضات کر کے ایک رسالہ ''تنبیہ الغافلین'' لکھا۔ امام بخش صہبائی نے آرزو کے اعتراضات کا جواب ''قولِ فیصل'' کے نام سے لکھا۔ پروفیسر وزیر الحسن عابدی نے ''قول فیصل'' کا اُردو ترجمہ شروع کیا لیکن مکمل کرنے سے پہلے انتقال کر گئے۔ یہ نامکمل ترجمہ ۵۲ صفحات کو محیط ہے اس سے اٹھارھویں صدی کے وسط کی شعریات کا اندازہ ہوتا ہے۔ آخر میں ایک مضمون ''قول فیصل اور اس کا پس منظر'' (ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام) کے عنوان سے درج ہے۔

''ادبی معرکے نمبر'' پر اپنی رائے دیتے ہوئے ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں:

> ''اس شمارے میں لسانیات، زبان و بیان اور قدیم شعریات کے اتنے خزینے بھرے پڑے ہیں کہ یہ علم وفن کا ایک گنج قارون بن گیا ہے۔ جو ہمیں گنج باد آورد کی طرح گھر بیٹھے بیٹھے مل گیا ہے۔ اس کی ترتیب میں ادارے کو کتنی تحقیق و تدقیق اور کتنی دیدہ ریزی کرنی پڑی ہوگی، اسے پڑھنے سے نئی نئی معلومات کا ایک در نہیں، ہزار در کھل جاتے ہیں۔''۳۶

اس نمبر کے حوالے سے خود محمد طفیل اتنے پر اعتماد نظر آتے ہیں کہ انھوں نے اس نمبر کے ابتدائی صفحات میں یہ لکھا کہ:

> ''مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہم میں سے کوئی خواہ کتنا بھی پڑھا لکھا ہو۔ وہ اس نمبر کے مطالعہ کے بعد مزید پڑھا لکھا کہلا سکے گا۔ کیوں کہ اس نمبر میں جو کچھ درج ہے وہ سب کچھ ہر ایک نہیں جانتا تھا۔''۳۷

''ادبی معرکے نمبر'' کی اشاعت کے اگلے ہی ماہ (۲۴۔ اکتوبر ۱۹۸۱ء) کو محمد طفیل نے اس کی تقریب رونمائی کا اہتمام کیا جس کی صدارت اس وقت کے وزیر دفاع میر علی احمد تالپور نے کی جب کہ اظہارِ خیال کرنے والے مقررین میں جسٹس عطاء اللہ سجاد، حفیظ جالندھری، میرزا ادیب، اشفاق احمد، پروفیسر محمد عثمان، ڈاکٹر سلیم اختر اور رحیم گل شامل تھے۔ اس تقریب کی خاص بات یہ تھی کہ دوران تقریب اس وقت کے صدر جنرل ضیاء الحق اچانک تقریب میں

چلے آئے اور محمد طفیل اور نقوش کے حوالے سے اچھی خاصی تقریر کی۔ تقریب کا مقصد چونکہ ''ادبی معرکے نمبر'' کی رونمائی تھا اس لیے بیشتر مقررین خصوصاً جسٹس عطاء اللہ سجاد نے خود کو اسی موضوع تک محدود رکھا تاہم اس میں محمد طفیل کی شخصیت بنیادی حوالے کے طور پر موضوعِ محفل رہی۔ ذیل میں ''ادبی معرکے نمبر'' کے بارے میں پیش کیے گئے خیالات درج کیے جاتے ہیں۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنی تحریر میں کہا:

''طفیل صاحب کا تازہ ادارتی معرکہ یعنی ادبی معرکے جس کی آج رونمائی ہو رہی ہے دو ضخیم جلدوں پر محیط ہے۔ اس کے گرد پوش پر فکاہیہ خاکے دیکھ کر پہلے میں سمجھا کوئی ہلکی پھلکی چیز ہے لیکن جب ان کا مطالعہ شروع کیا تو اندازہ ہوا کہ یہ تو کئی کتابوں پر بھاری ہے۔ ذاتی چپقلشوں سے قطع نظر اس تازہ نمبر میں اتنا پر مغز مواد ہے کہ اسے بلا مبالغہ اُردو ادب اور زبان کی تاریخ کہا جا سکتا ہے۔ میں یہ یادگار نمبر ترتیب دینے پر جناب طفیل صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔'' ۳۸

حفیظ جالندھری نے اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''میں نے انگریزی لٹریچر بھی پڑھا ہے، ہندی بھی پڑھی ہے، فارسی بھی پڑھی ہے، عربی سے بھی واقف ہوں، اُردو کو بھی کھنگالا ہے۔ اس لیے اعتماد سے کہتا ہوں کہ دنیا میں کوئی ایسی کتاب موجود نہیں جس میں اتنے معرکتہ الآرا مضامین ایک جگہ جمع ہوں اور نہ میرے تصور میں کوئی ایسا مدیر، صحافی اور نقاد آیا جس نے اتنی مشقت اختیار کی ہو بلکہ اس کا اتنا محیط اور عجیب و غریب اظہار بھی کیا ہو۔'' ۳۹

جسٹس عطاء اللہ نے ''ادبی معرکے نمبر'' کا گہرائی سے جائزہ لیتے ہوئے اس کے مندرجات پر بحث کی۔ انھوں نے کہا کہ:

''ادبی معرکے نمبر'' کی دونوں جلدوں میں زبان کی تاریخ اور اس کی تدریجی ترویج و اشاعت کے علاوہ قواعد، گرامر، تنقید و تقریظ، اصلاحِ سخن اور عروض کے متعلق بھی دستاویزی حوالوں اور شواہد سے نہایت اہم اور علمی مواد پیش کیا گیا ہے۔ مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ ان دو نمبروں کی ترتیب و تدوین میں طفیل صاحب نے بے حد عرق ریزی سے کام لیا ہے اور اُردو زبان کی ایک مبسوط تاریخ مع ان عوامل کے جو اس کی ترویج و اشاعت میں کارفرما تھے آپ کے سامنے پیش کر دی ہے۔ ان کے پہلے کارنامے ہی کیا کم تھے اور ان کے نقوشِ تازہ بھی اپنے آپ میں پائندگی اور ہیشگی لیے ہوتے ہیں۔'' ۴۰

اشفاق احمد کے الفاظ میں:

''یوں تو نقوش کے ہر نمبر نے ایک نیا علم عطا کیا لیکن ''ادبی معرکے نمبر'' نے تو میری آنکھوں کھول دیں۔''۵۱

پروفیسر محمد عثمان نے تحسین آمیز پیرائے میں محمد طفیل کے کارناموں کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

''طفیل صاحب نے ''نقوش'' کے جو درجن بھر نمبر نکالے ہیں ان کو دیکھ کر کوئی شخص اس حیرت زدگی سے بچ نہیں سکتا کہ یہ کسی انجمن یا ادارے کا نہیں بلکہ ایک شخص کی محنت کا ثمر ہے۔ ہر نمبر کے لیے اتنے وقیع اور بلند پایہ مضامین کا لکھوانا اور انھیں یکجا کرنا، کتابت و طباعت کے ایسے خوبصورت معیار کو قائم رکھنا اور پھر پورے مواد کو ایسا حسین وجمیل پیکر عطا کرنا کہ خوش ذوق انسان دیکھتے کا دیکھتا رہ جائے۔ یہ عظمتِ کار، یہ مدیرانہ مہارت، یہ سلیقہ، یہ ہنر مندی اُردو رسائل کی تاریخ میں جتنی اور جیسی طفیل صاحب کو نصیب ہوئی شاید ہی کسی اور کے حصے میں آئی۔''۴۲

ڈاکٹر سلیم اختر نے اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''ادبی معرکے نمبر میں محمد طفیل نے ان ادبی، لسانی اور تحقیقی معرکوں کو مدون کیا ہے جو خالص علمی تھے۔ جن کا مقصد تحقیقی اغلاط کی نشان دہی تھا اور جن کے ذریعہ اُردو تنقید اور تحقیق نے بلند معیار کی سند حاصل کی۔ چنانچہ فہرست پر ایک نگاہ ڈالنے سے ہی اُردو ادب میں ان معرکوں کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ یہی نہیں محمد حسین آزاد سے لے کر علامہ اقبال تک اور پھر اپنے دور میں جوش ملیح آبادی تک اُردو ادب کی بیشتر قد آور شخصیات ہاتھ میں قلم کی تلوار تھامے علمی معرکوں میں مصروف نظر آتی ہیں۔ اسی لیے یہ نمبر محمد طفیل کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ اس نمبر کے ذریعے اس نے ثابت کر دیا کہ ادبی نظریات کی چھان پھٹک، علمی مسائل کی نوک پلک درست کرنے اور تحقیقات کے نام پر کی جانے والی موشگافیوں کو مسلمات بنانے کے لیے علمی معرکہ آرائی کتنی ضروری ہے۔ اتنی کہ اس نمبر کی روشنی میں تو اُردو ادب کی ترقی اور لسانی مباحث کا تنوع صرف ادبی معرکوں ہی کا مرہون منت قرار پاتا ہے اور اس لیے ہم اس معرکہ آرائیوں کے ساتھ اس نمبر کے مرتب کو بھی سلام کرنے پر مجبور ہیں۔''۴۳

''نقوش'' کا ''آپ بیتی نمبر'':

''نقوش'' کا ''آپ بیتی نمبر'' (شمارہ نمبر ۱۰۰) دو جلدوں میں جون ۱۹۶۴ء میں منظرِ عام پر آیا۔ سال ۱۹۶۴ء کی مناسبت سے اس کے صفحات کی تعداد بھی ۱۹۶۴ رکھی گئی:

> ''یہ پرچہ ۱۹۶۴ء میں چھپا ہے۔ اس لیے ہم نے التزام یہ رکھا ہے کہ اس نمبر کے بھی ۱۹۶۴ صفحات ہوں۔[۴۴]

''آپ بیتی نمبر'' کی ترتیب و تدوین بھی ''نقوش'' کے دیگر نمبروں کی طرح ایک مسلسل ریاضت اور جانکاہی کا عمل اور ایک نہایت صبر آزما کام تھا۔ اس کے لیے محمد طفیل کو جو مشقت اٹھانا پڑی اس پر اس ضخیم نمبر کا ایک ایک صفحہ گواہ ہے۔ محمد طفیل لکھتے ہیں:

> ''پہلے پہل تو میرا خیال تھا کہ کچھ اور نہ سہی، مگر اس نمبر کی آپ بیتی ضرور لکھوں گا۔ شروع بھی کی۔ مگر جب دیکھا کہ وہ کوئی ساٹھ صفحات کالے کر ڈالے گی تو دل اس کی اشاعت پر راضی نہ ہوا۔ سب لکھے لکھائے کو یہ سمجھ کر ایک طرف ڈال دیا کہ کچھ لکھا ہی نہ تھا۔ پھر یاروں نے یہ بھی سمجھایا کہ میاں اس نمبر میں اپنی آپ بیتی ضرور شامل کر لینا۔ زندۂ جاوید ہو جاؤ گے۔ میرا جواب یہ رہا کہ اگر یہ نمبر زندۂ جاوید نہیں بنا سکتا تو میری آپ بیتی بھی مجھے زندگی بخش نہ سکے گی۔ پھر میری آپ بیتی نقوش کے سوا ہے بھی کیا۔ جس دن یہ چراغ بجھ جائے گا اس دن سے اپنی زندگی پر سے یہ جینے کی تہمت بھی ختم ہو جائے گی۔''[۴۵]

محمد طفیل نے ''آپ بیتی نمبر'' کے ابتدائی صفحات میں ''تصریحات'' کے عنوان سے اس نمبر کا مختصر مگر جامع تعارف پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے ''آپ بیتی'' کی صراحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''مختصر لفظوں میں آپ بیتی۔ کسی انسان کی زندگی کے تجربات، مشاہدات، محسوسات، نظریات اور عقائد کی ایک مربوط داستان ہوتی ہے جو خود اس نے بے کم و کاست اور راست راست قلم بند کر دی ہو، جسے پڑھ کر اس کی زندگی کے نشیب و فراز معلوم ہوں۔ اس کے نہاں خانوں کے پردے اٹھ جائیں اور ہم اس کی خارجی زندگی کے سوا اس کی داخلی کیفیات کے حجرے میں بھی جھانک کر دیکھ سکیں۔''[۴۶]

آگے چل کر انھوں نے اس نمبر کی ترتیب کے سلسلے میں چند ضروری باتوں کی وضاحت کی ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اس نمبر کی ترتیب باقاعدہ نہیں ہے جیسے جیسے مضمون ملتے

گئے انھیں شامل اشاعت کیا جاتا رہا۔ البتہ فہرست میں ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے۔

اس نمبر میں اُردو کے علاوہ دیگر بارہ زبانوں کے ادیبوں اور مشاہیر نے حصہ لیا۔ جن میں بنگالی، فارسی، عربی، گجراتی، انگریزی، روسی، چینی، ترکی، ہیبر یو اور ولندیزی زبانیں شامل ہیں۔ اسی طرح اس نمبر کے سلسلے میں جن ملکوں نے دلچسپی لی ان میں چین، ہندوستان، امریکہ، برطانیہ، اٹلی، روس، جرمنی، ملائیشیا، متحدہ عرب جمہوریہ (عرب امارات)، ایران، لبنان، سعودی عرب، ترکی، انڈونیشیا، کینیڈا، برازیل، فلپائن، سوئٹزر لینڈ، پولینڈ، فن لینڈ، یوگوسلاویہ، اسپین، کیوبا، جاپان، سوڈان، بیلجیم، فرانس اور سویڈن شامل ہیں۔

اُردو ادب میں موجود تمام آپ بیتیاں (۱۹۶۴ء تک) اس نمبر میں موجود ہیں۔ طویل آپ بیتیوں کی تلخیص کی گئی ہے جبکہ چھوٹے مضامین کو من وعن پیش کردیا گیا ہے۔ جن شخصیتوں نے باقاعدہ آپ بیتی نہیں لکھی ان کے خودنوشت حالات، خطوط، ملفوظات، سفرناموں اور تذکروں سے مرتب کر کے پیش کیے گئے ہیں۔

''آپ بیتی نمبر'' کے بارے میں اپنے رائے دیتے ہوئے ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> ''محمد طفیل کا ایک مقصد تو یقیناً ایسا سوانحی سرمایہ جمع کرنا تھا جس سے عبرت کے علاوہ زندگی کے سابقہ تجربات کا تجزیہ بھی کیا جاسکے، اور یہی وجہ ہے کہ محمد طفیل نے آپ بیتی نمبر کو چار سو سالہ شخصی تاریخ کی دستاویز شمار کیا ہے۔ ان کا ایک اور مقصد یہ تھا کہ ۲۴۴ عظیم شخصیات (یہ تعداد ۲۴۲ ہے) کے خودنوشت سوانح سے ان شخصیات کے نقطۂ نظر، طرزِ حیات، نظریات اور مسائل زندگی سے نبرد آزما ہونے کے اسلوب کا موازنہ، ان کے حسن و قبح کا تجزیہ اور ان کی کامرانی یا ناکامی کا ادراک پیدا کیا جاسکے۔ چنانچہ نقوش آپ بیتی نمبر کی ایک منفرد خصوصیت مجھے یہ نظر آئی کہ اس میں دو سو چوالیس عظیم شخصیتوں کی انجمن سجائی گئی ہے۔ یہ دانشورانِ عالم آپس میں متصادم نہیں ہوتے بلکہ اس اسلوب حیات کو آشکار کرتے ہیں جسے قبول کر کے اُنھوں نے جریدۂ عالم پر مستقل نقوش قائم کردیے تھے اور اب اپنی آپ بیتیوں میں اپنے تجربات کی زنبیل کا منہ ہمارے سامنے کھول رہے ہیں۔''[۴۷]

نقوش کے آپ بیتی نمبر کی فہرست پر نظر ڈالیں تو اس کا آغاز ان مکتوبات سے ہوتا ہے جو اس نمبر کے سلسلے میں عالمی شہرت یافتہ شخصیات اور مختلف ملکوں کے سفیروں نے مدیر

نقوش کے نام تحریر کیے۔ ان میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان، سرونسٹن چرچل، جنرل آئزن ہاور، ہیرلڈ میکملن، برٹرینڈ رسل، ایلیا اہرن برگ، پنڈت جواہر لعل نہرو، ٹی ایس ایلیٹ، ایزرا پاؤنڈ، لارڈ ڈل ہورن، فرح دیبا پہلوی، ہز ہائی نس آغا خان، ڈاکٹر رادھا کرشنن، ڈاکٹر طہٰ حسین، رابرٹ فراسٹ، جیمز تھربر، ڈبلیو ایس ماہم، الڈوس ہکسلے، اے ای سٹیون سن، سمرسٹ ماہم، فیض احمد فیض، وان ایک بروکس، محمد معین اور والڈے میر نولوکوو جیسی شخصیات شامل ہیں۔

''آپ بیتی'' کے فن پر مولانا غلام رسول مہر، مولانا علم الدین سالک، ڈاکٹر سید عبداللہ، یوسف جمال انصاری اور ریحانہ خانم کے لکھے ہوئے پانچ مضامین اپنے موضوع پر نایاب تحریریں ہیں۔

سربراہِ مملکت کے عنوان تلے قائداعظم اور فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے نام درج ہیں جن کی اپ بیتیاں اس نمبر میں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ تیمور گورگانی، ظہیر الدین بابر، شیخ عبدالقادر، ابوالکلام آزاد اور بعض دیگر سیاسی اور مذہبی شخصیات کے نام آتے ہیں۔ غیر ملکی ادیبوں میں روسو، جان کیٹس، دوستووسکی، گورکی، چیخوف، آسکر وائلڈ، برنارڈ شا، رابندر ناتھ ٹیگور، ڈاکٹر طہٰ حسین سمیت ۲۳ شخصیات کے نام درج ہیں۔

ادباء، شعراء کے ذیل میں اُردو کے تقریباً تمام اہم شاعروں اور ادیبوں کو، جن کی تعداد ۱۳۵ ہے، اس نمبر میں شامل کیا گیا ہے۔ یوں آپ بیتی نمبر کی دونوں جلدوں میں شامل شخصیات کی تعداد دو سو بیالیس ہے جن کی آپ بیتیاں یا سوانح حیات اس نمبر میں درج کیے گئے ہیں۔

نقوش کا آپ بیتی نمبر ہر اعتبار سے ایک عظیم دستاویز ہے جس میں دنیا کی عظیم شخصیات کے تجربات، مشاہدات اور ذاتی واردات کے بوقلموں رنگ اپنی بہار دکھاتے نظر آتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر انور سدید:

> ''آپ بیتی نمبر پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم ان عظیم شخصیات کے تجربے سے استفادہ ہی نہیں کر رہے بلکہ ان کے سفرِ حیات میں بھی شریک ہیں۔ ہر آپ بیتی دوسری آپ بیتی سے مختلف ہے۔ ہر مشاہدہ نیا تجربہ سامنے لاتا ہے۔ ہر تجربے سے جداگانہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے اور زندگی کی گرہ جب اچانک کھل جاتی ہے تو محمد طفیل کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے کہ انھوں نے خلقِ خدا کی راہنمائی کے لیے

دنیا کے عظیم انسانوں، خیال نگاروں، مفکروں، دانشوروں اور کشور کشاؤں کی یہ محفل آراستہ کی اور ثابت کردیا کہ بڑے لوگ مرا نہیں کرتے بلکہ اپنے کارناموں میں زندہ رہتے ہیں۔ نقوش کا آپ بیتی نمبر ان کی اس عظمت کا ہی اثبات ہے۔''۴۸؎

''نقوش'' کا ''مکاتیب و خطوط نمبر''

''نقوش'' کا مکاتیب نمبر (شمارہ نمبر ۶۵۔۶۶) دو جلدوں میں نومبر ۱۹۵۷ء میں جبکہ اسی تسلسل میں ''خطوط نمبر'' کا شمارہ نمبر ۱۰۸ ستمبر ۱۹۶۷ء میں اور شمارہ نمبر ۱۰۹ تین جلدوں میں اپریل۔مئی ۱۹۶۸ء میں منظر عام پر آیا۔

''مکاتیب نمبر'' دو جلدوں میں ۱۰۴۸ صفحات کو محیط ہے۔ جس کے آغاز میں مکاتیب کے بارے میں نامور اہل قلم کے چار مضامین شامل ہیں۔ مضمون ''علم و ادب میں خطوط کا درجہ'' مولانا غلام رسول مہر کا تحریر کردہ ہے جبکہ ''اُردو خط نگاری'' اور ''اُردو کے منفرد مکتوب نگار'' ڈاکٹر سید عبداللہ اور مالک رام کے لکھے ہوئے مضامین ہیں۔ چوتھا مضمون ''مشاہیر ادب (سوانح)'' محمد عبداللہ قریشی نے لکھا ہے جس میں مکتوب نگاروں کی مختصر سوانح حیات درج کی گئی ہے۔ اس نمبر میں ۲۱۷ اہلِ قلم کے ۱۳۱۳ خطوط پیش کیے گئے ہیں جو اُردو ادب کا ایک نادر ذخیرہ ہیں۔ ان خطوط کی جمع آوری اور ترتیب و تدوین کا ذکر کرتے ہوئے محمد طفیل رقم طراز ہیں:

> ''میں نے یہ خطوط دن رات ایک کر کے جمع کیے ہیں۔ واضح رہے دن رات والا فقرہ میں نے بہ طور محاورہ استعمال نہیں کیا۔
>
> میں نے ان خطوط کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ شہر شہر گھوما، گھر گھر صدا دی۔ کسی نے میرے شوق کو سینے لگایا۔ کسی نے بات بھی نہیں پوچھی۔ یوں امید و بیم کے دوراہے پہ چلتا چلتا نیم جان ہوگیا۔ مگر جنون میں کمی واقع نہ ہوئی۔
>
> بچپنے میں چوری کی ہو تو کی ہو۔ اس عمر میں تو نہیں کی تھی۔ مگر اس کم بخت شوق میں یہ کام بھی کیا۔ بخدا اپنی خاطر نہیں۔ آپ کی خاطر، اگر میں نے یہ چوری اپنی ذات کے لیے کی ہو تو مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہو۔
>
> خطوط صرف ادب و انشا ہی کے آئینہ دار نہیں ہوتے بلکہ اس سے علمی، ادبی، سماجی اور سیاسی تاریخیں بھی مرتب کی جاسکتی ہیں۔ میرا یہ دعویٰ غلط نہیں ہے۔ اگر آپ نے خطوط کو اس نظر سے دیکھا تو آپ کو ان میں بڑا مواد ملے گا۔

اس اعتبار سے مجھے یہ چھوٹا سا دعویٰ کر لینے دیجیے کہ میری اس کاوش سے سو سالہ علمی، ادبی، سماجی اور سیاسی تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے یا مرتب کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔''[۴۹]

''مکاتیب نمبر'' کی ترتیب و تدوین ایک باقاعدہ ضابطے کے تحت عمل میں لائی گئی ہے جس کا ذکر مدیر نقوش نے ''تصریحات'' کے عنوان سے اپنی تحریر میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

۱۔ ''اپنی دانست میں ہم نے تمام خطوط، غیر مطبوعہ جمع کیے ہیں۔ لاعلمی میں چند ایک خطوط، مطبوعہ بھی پیش ہو گئے ہوں تو کچھ کہہ نہیں سکتے۔

۲۔ ہم نے اپنی طرف سے پوری چھان بین کی ہے کہ اس نمبر میں جتنے بھی خطوط چھپیں، وہ اصل کے عین مطابق ہوں۔ جس خط کے بارے میں شبہ ہوا اسے ہم نے خارج ہی کر دیا۔

۳۔ اس نمبر میں صرف مرحومین کے خطوط ہیں۔ انتخاب میں اور سختی سے کام لیا جاتا تو کچھ اور خطوط، اس مجموعہ میں شامل ہونے سے رہ جاتے اور کبھی نہ کبھی ضائع ہو جاتے۔ چونکہ اس نمبر میں، میرے نزدیک ایک بھی مکتوب نگار غیر اہم نہیں ہے۔ اس لیے میں نے چاہا کہ مرحوم مشاہیر ادب کے زیادہ سے زیادہ خطوط محفوظ ہو جائیں۔

۴۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ ایسے خط نہ چھپیں، جو کسی کی بھی دل آزاری کا موجب بنتے ہوں۔ یا جو لکھے ہی اس غرض سے گئے ہوں کہ ذرا دیکھیں تو، یا ایسے خط، جن میں دل کے کچھ نازک معاملات رقم ہوں۔ ہمیں اس امر کی بے حد خوشی ہے کہ ہم نے سنسنی خیز مکتوبات کی اشاعت سے پرہیز کیا ہے۔

۵۔ بعض خطوط کو پڑھنا بے حد مشکل تھا۔ کوشش کے باوجود بعض الفاظ نہیں پڑھے جاسکے۔ وہاں ہم نے جگہ خالی چھوڑ دی۔

۶۔ ان خطوط کو کسی حد تک زمانی اعتبار (بہ لحاظ مکتوب نگار) سے ترتیب دیا گیا ہے۔ مندرج خطوط کو بھی تاریخ وار پیش کیا گیا ہے۔ جن خطوط پر تاریخ نہیں تھی۔ وہ اس حصہ کے آخر میں درج کر دیے گئے ہیں۔ البتہ عکس خطوط کے سلسلے میں زمانی ترتیب قائم نہ رکھ سکے۔''[۵۰]

درج بالا نکات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مکاتیب کے سلسلے میں محمد طفیل نے کتنا کڑا معیار قائم کیا اور ان کی صحت جانچنے اور انتخاب کے سلسلے میں خود کو کتنے مشکل مراحل سے گزارا۔ اسی نمبر میں محمد طفیل نے یہ اطلاع بہم پہنچائی ہے کہ زندہ ادیبوں کے خطوط کا ایک الگ نمبر پیش کیا جائے گا۔ اس کے بعد مرحومین کے خطوط کی تیسری جلد پیش کی جائے گی اور چوتھی جلد تمام مکاتیبی سرمائے کے انتخاب پر مشتمل ہوگی۔

چنانچہ ''مکاتیب نمبر'' کی اشاعت کے تقریباً دس سال بعد اپریل۔مئی ۱۹۶۸ء میں ''نقوش'' کی بیسویں سالگرہ پر محمد طفیل نے حسب اعلان ''خطوط نمبر'' کی صورت میں ۲۲۵۳ غیر مطبوعہ خطوط پر مشتمل تین جلدیں پیش کیں۔ ''خطوط نمبر'' کے طلوع میں محمد طفیل ان خطوط کی نسبت تحریر کرتے ہیں:

''جنگ ہوئی۔ اپنی اپنی پڑگئی۔

یہ دعا تو سب کی تھی کہ ملک دشمن سے محفوظ رہے۔ اس کے ساتھ، ہر ایک کی کچھ فکریں اور بھی تھیں، جو سانس روکے دے رہی تھیں۔ مثلاً والدین کی فکر، بچوں کی فکر، جائیداد کی فکر!

فکریں تو میری بھی بہت تھیں۔ مگر ان میں نمایاں فکر اس دستاویزی سرمائے کی تھی جو میری تحویل میں تھا۔

وہ سرمایہ کیا تھا؟ بوسیدہ اور کٹے پھٹے کاغذ کے پرزے!

مگر اُن پرزوں میں غالب کے خطوط تھے، اقبال کے خطوط تھے، سرسید کے خطوط تھے، ابوالکلام کے خطوط تھے، شبلی کے خطوط تھے، مہدی افادی کے خطوط تھے۔ نام کہاں تک گنواؤں! جنگ تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔

توپوں کی دھمک اور شعلوں کی لپک میں، جب میں نے سوچا تھا کہ یہ خطوط کہیں ضایع نہ ہوجائیں تو میرا دل ڈوبنے لگا تھا۔ مگر انھی دنوں جب یہ بات دھیان میں آئی تھی کہ میرے بچوں کا کیا ہوگا تو میں بڑے حوصلے میں تھا۔

اللہ کا ہزار ہزار شکر کہ وہ گھڑی نہ آنا تھی، نہ آئی۔ آئی بلا ٹلی۔ یہ تو ملک کے بقا کی بات تھی اور سن تھا ۱۹۶۵ء، جہاں تک خطوط کا معاملہ ہے اس کے متعلق آج ۱۹۶۸ء میں سوچتا ہوں کہ میں بھی کیسا انسان ہوں کہ جسے بچوں سے زیادہ خطوط عزیز تھے۔ یہ سوچ کر کبھی غمگین ہوجاتا ہوں اور کبھی خوش!''[۵۱]

یہ سطور محض کسی جذباتی رو میں بہہ کر نہیں لکھی گئیں بلکہ ان میں ایک ہوش مند انسان کی فکرمندی اپنی پوری شدت کے ساتھ نمایاں ہے۔ لیکن یہ فکرمندی اپنے بچوں، مال اسباب یا جائیداد کے لیے نہیں بلکہ ان خطوط کے لیے جنھیں ایک عزیز ترین متاع یعنی ''نقوش'' کی زینت بننا اور اس کے صفحات کو سنوارنا ہے۔ خطوط کی فکرمندی ''نقوش'' کے لیے فکرمندی تھی اس لیے کہ ''نقوش'' انھیں اپنے بچوں سے بڑھ کر عزیز تھا۔ بقول عبدالقوی دسنوی:

''دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں دیکھا جاسکتا۔ اس کے ہر صفحہ پر، اس کی ہر

سطر پر اس کے ہر لفظ پر محمد طفیل کے ذہنی رو کے عکس ہیں۔ تفکر و تجسس کے نقش ثبت ہیں اور قوتِ عمل کے جوہر نمایاں ہیں۔''۵۲

''خطوط نمبر'' حصہ اول میں ۱۱۹ مشاہیر کے خطوط پیش کیے گئے ہیں۔ ابتدا میں قائداعظم کے چھ انگریزی خطوط اور ان کے ترجمے شایع کیے گئے ہیں۔ پھر مولانا گرامی کے نام علامہ اقبال کے آٹھ خطوط ہیں۔ پھر غالب کے اٹھارہ خطوط کے عکس، سرسید کے تین خطوط کے عکس اور حالی، شبلی، محمد علی جوہر، شوکت علی، نواب وقار الملک، ابوالکلام آزاد، محسن الملک، سید علی بلگرامی، سید حسین بلگرامی، عزیز لکھنوی، رام بابو سکسینہ، ریاض خیر آبادی، سلیمان ندوی، سر عبدالقادر، حبیب الرحمٰن شیروانی، مولوی عبدالحق، عبدالرحمٰن بجنوری، مولوی ممتاز علی، اکبرلہٰ آبادی، احمد علی شوق، عبدالحلیم شرر، حسرت موہانی، قاضی عبدالغفار، آرزو لکھنوی، غلام عباس، نواب بہادر یار جنگ، فانی بدایونی، جگر مراد آبادی، رضا علی وحشت، عبدالمجید سالک، عبیداللہ سندھی، اسلم جیراجپوری، محشر لکھنوی، یاس یگانہ چنگیزی، اختر شیرانی اور دیگر مشاہیر کے خطوط کے عکس پیش کیے گئے ہیں۔

''خطوط نمبر'' حصہ دوم میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے خطوط بنام موتی لعل نہرو اور مہاتما گاندھی کے علاوہ خود ان کے نام حکیم اجمل خان، محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خاں، موتی لعل نہرو، مہاراجہ کرشن پرشاد، لالہ لاجپت رائے، سوامی شرھانند، مولانا شوکت علی، مفتی کفایت اللہ، ڈاکٹر انصاری، شعیب قریشی، سیٹھ عبداللہ ہارون، مولانا محمود حسن، مولانا حسین احمد، ڈاکٹر سید محمود، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، بیگم حسرت موہانی، حسرت موہانی، شبلی نعمانی، آزاد سبحانی، حبیب الرحمٰن خان شیروانی، عبدالحق دہلوی، مولانا محمد علی مونگیری، ابوالاعلیٰ مودودی، غلام بھیک نیرنگ، نواب علی حسن خان اور نواب چھتاری کے خطوط اہم ہیں۔ پھر نواب بہادر یار جنگ کے چالیس خطوط ہیں۔ ان خطوط میں پہلے اختر جمال کا تعارفی نوٹ درج کیا گیا ہے۔ پھر عزیز لکھنوی، احمد علی شوق، جلیل مانک پوری، صفی لکھنوی، اثر لکھنوی، سید سلیمان ندوی، عبدالحق، حسرت موہانی، عبدالمجید سالک، نوح ناروی، بیگم پطرس، شوکت تھانوی، شاد عارفی، میراجی، جگر مراد آبادی، جوش ملیح آبادی، رشید احمد صدیقی، قاضی عبدالغفار، مولانا عبدالماجد دریابادی اور غلام رسول مہر وغیرہ کے خطوط ہیں۔ ان خطوط کی تعداد ۸۶۵ ہے۔

''خطوط نمبر'' حصہ سوم میں عبدالستار صدیقی، امتیاز علی عرشی، مالک رام، غلام رسول مہر، عبدالماجد دریابادی، رشید احمد صدیقی اور جوش ملیح آبادی کے اہم خطوط کے علاوہ بہت سے ایسے لوگوں کے خطوط بھی ہیں جو ابھی ادب کے میدان میں بقول محمد طفیل ''اتنے عمر رسیدہ نہیں۔'' اس حصے میں ۶۸۴ خطوط پیش کیے گئے ہیں۔ مجموعی طور پر ''خطوط نمبر'' کے خطوط کی کل تعداد ۲۲۵۳ ہے جو تقریباً ۱۷۰۰ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ''خطوط نمبر'' کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہوئے عبدالقوی دسنوی لکھتے ہیں:

> ''آج یہ کہا جاسکتا ہے کہ غالب کے خطوط کی اشاعت کے تقریباً سو سال بعد اُردو ادیبوں کو محمد طفیل مل گئے جنھوں نے بے شمار ادیبوں اور مشاہیر کی جیتی جاگتی زندگیوں کو، جو ان کے خطوط میں پوشیدہ تھیں، نقوش کے مکاتیب و خطوط نمبر میں نہ صرف محفوظ کرلیا بلکہ اہل علم کو محققوں اور ناقدوں کو تحقیق و تلاش اور نقد و نظر کے لیے ایک میدان فراہم کردیا ہے۔ اب ان خطوط کے ذریعہ مشاہیر، علماء، فضلاء، ادباء، سیاست دانوں، سماجی خدمت گزاروں کے بعض ان افکار و خیالات، حالات اور واقعات، آزمائشوں اور الجھنوں، ناکامیوں اور کامرانیوں سے آگاہی ہوگی، جن سے سب بے خبر تھے۔ یہ خطوط قہقہہ بر قرطاس بھی ہیں اور آنسوؤں سے نم بھی ہیں اور فکر انگیز بھی ہیں۔ ان میں شعراء کے کلام پر اصلاحات بھی ہیں، تخلیقات اور دوسرے ادبی کاموں پر تبصرے بھی ہیں، شعراء کے ایسے کلام بھی ہیں، جو اب آسانی سے دستیاب نہیں ہوسکتے۔ یہ خطوط مختصر بھی ہیں، طویل بھی، بہت پرانے بھی ہیں، قریب تر زمانے کے بھی ہیں۔ شگفتہ اور تروتازہ بھی ہیں، تلخ و ترش بھی ہیں۔[۵۳]

مجموعی طور پر ''مکاتیب و خطوط نمبر'' محمد طفیل کا ایک ایسا کارنامہ ہے جو ان کے دیگر کارناموں کی طرح عدیم النظیر ہے۔ مشاہیر کے خطوط کا اتنا بڑا ذخیرہ سوائے محمد طفیل کے اور کوئی جمع نہیں کرسکتا تھا۔

''نقوش'' کا ''شخصیات نمبر''

''نقوش'' کا ''شخصیات نمبر'' دو جلدوں میں منظر عام پر آیا۔ پہلی جلد (شمارہ ۴۷۔۴۸) جنوری ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی جبکہ دوسری جلد (شمارہ ۵۹۔۶۰) اکتوبر ۱۹۵۶ء میں منظر عام پر

آئی۔ محمد طفیل کے ذہن میں ''شخصیات نمبر'' چھاپنے کا خیال کیوں پیدا ہوا؟ اس سلسلے میں اصل بات تو یہ ہے کہ شخصیت شناسی اور شخصیت نگاری محمد طفیل کا مرغوب ترین موضوع ہے۔ انھوں نے نقوش کے جتنے نمبر شایع کیے ہیں چاہے وہ ''آپ بیتی نمبر'' ہو یا ''مکاتیب وخطوط نمبر'' ہو یا دیگر نمبر ہوں، ان سب میں شخصیات کو نمایاں کرنے کا پہلو غالب رہا ہے۔ پھر الگ سے ''شخصیات نمبر'' شایع کرنی کے پس پردہ یہی شوق اور جستجو کارفرما رہی ہے۔ محمد طفیل کی خاکہ نگاری کا سلسلہ بھی اسی شوق اور جستجو کا رہین احسان ہے۔ چنانچہ ''شخصیات نمبر'' جلد اول کے ''طلوع'' میں وہ لکھتے ہیں:

> ''اس نمبر کی شانِ نزول، معیار اور افادیت کے ضمن میں سوائے اس کے کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ اتنے اچھوتے موضوع پر اب تک جتنا کام ہوا ہے وہ دوسرے اصنافِ ادب کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ اگر گنے چنے اہل قلم بھی اس طرف توجہ نہ کرتے تو اس صنفِ ادب کا اللہ ہی حافظ تھا۔
>
> آج سے نوے اسی برس بعد ہم میں سے کوئی بھی اس بھری دنیا میں زندہ نہ ہوگا جیسے آج سرسید اور آزاد کے دور سے پہلے کا کوئی بھی دیدہ ور موجود نہیں ہے جو ہمیں یہ بتا سکے کہ غالب ایسے تھے اور مومن ایسے تھے۔
>
> یہ تسلیم کہ تذکروں، مکاتیب اور اکا دکا مضامین سے ان مشاہیر کی شخصیت کو آج بھی کچھ کچھ سمجھا جاسکتا ہے۔ لیکن کسی شخصیت کے بارے میں مخلصانہ، عمیق اور ذاتی مشاہدہ، جتنا اس شخصیت کو اجاگر کرسکتا ہے۔ وہ تذکروں، مکاتیب اور مضامین سے ممکن ہی نہیں۔ اس کمی کے شدید احساس نے مجھ سے یہ کٹھن کام کرالیا ہے۔''[۵۴]

بقول ڈاکٹر صدیق جاوید:

> ''طفیل مرحوم کو اپنے ذاتی تجربے اور عام مشاہدے کی روشنی میں یہ آگاہی حاصل ہوگئی تھی کہ ہر قاری کی ایک عجیب نفسیاتی ضرورت ہے کہ اس میں ہیرو ورشپ کا جذبہ تسکین کا طالب ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے پسندیدہ اور محبوب ادیبوں اور شاعروں کی شخصیت سے بالخصوص اور دوسرے ممتاز ادباء اور نامور شعراء سے بالعموم، واقفیت کا تمنائی اور تعارف کا شیدائی ہوتا ہے ...انھیں اپنے ممدوحین کے عام انسانی اعمال و افعال میں بھی ایک سحر سا دکھائی دیتا ہے۔ انھیں اپنی پسندیدہ شخصیتوں کی نشست و برخاست، ان کے اوضاع و اطوار، روزمرہ کی معمولی اور حقیر باتوں میں بھی ادائے دلفریبی اور حسن و زیبائی نظر آتی ہے۔ انسان بھی عجیب مخلوق ہے۔

انکار و اقرارِ نعمت سے اسے کون روک سکا ہے؟ بہر حال پرستاروں اور پروانوں کا یہ جذبۂ خود سپردگی ہی تو ہے کہ وہ کوئی خونی رشتہ اور کوئی نسلی تعلق نہ ہوتے ہوئے بھی کبھی اپنے ہیروز کی تصویریں اپنی البم میں چسپاں کرتے ہیں تو کبھی اپنے اسٹڈی روم اور ڈرائنگ روم کی دیواروں پر آویزاں کرتے ہیں۔ اور یوں اگر دیکھا جائے تو دلدادگانِ ادب وفن کے رومانی جذبہ کی تسکین کے لیے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق رسائل و جرائد گونا گوں انداز میں طبع ہوتے ہیں۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں لاکھوں سوانح عمریاں، آپ بیتیاں اور خطوط و مکاتیب کے مجموعے، (یورپی ملکوں میں ہر چوک میں ایستادہ مجسمے) کچھ شوقِ آئینہ داری کا کرشمہ ہیں اور کچھ اس بات کا ثبوت کہ بطل پرستی انسان کا جبلی اور فطری جذبہ ہے۔'' ۵۵

نقوش، شخصیات نمبر حصہ اول میں شخصیات کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ حصہ اول میں جن شخصیات پر مختلف اہلِ قلم کے مضامین پیش کیے گئے ہیں ان میں محمد حسین آزاد، شبلی نعمانی، حالی، مہدی افادی، مولانا عبدالحلیم شرر، مولانا گرامی، مولانا وحید الدین سلیم، مرزا رسوا، آغا حشر، میر ناصر علی، مولانا راشد الخیری، اقبال، فانی، مرزا اعظم بیگ چغتائی، سجاد حیدر یلدرم، مولوی عنایت اللہ دہلوی، پروفیسر شیرانی، مرزا فرحت اللہ بیگ، حسرت موہانی، سید سلیمان ندوی، شمس العلماء مولوی عبدالرحمٰن اور آرزو لکھنوی جیسی شخصیات شامل ہیں۔ ان شخصیات پر لکھنے والوں نے بڑے انوکھے اور منفرد انداز میں ان کی شخصیت کے مختلف زاویے اجاگر کیے ہیں۔ حصہ دوم میں مولوی عبدالحق، ابوالکلام آزاد، علامہ دتاتریہ کیفی، خواجہ حسن نظامی، مولانا عبدالماجد دریابادی، ڈاکٹر ذاکر حسین، مرزا محمد سعید، مولانا حامد حسن قادری، رشید احمد صدیقی، مجنون گورکھپوری، ڈاکٹر زور، اثر لکھنوی، جگر مراد آبادی، حفیظ جالندھری، امجد حیدرآبادی، عابد علی عابد، مخفی کہستانی، مولانا صلاح الدین احمد، چودھری محمد علی ردولوی، عندلیب شادانی اور ڈاکٹر شوکت سبزواری کی شخصیت کا احوال بیان کیا گیا ہے۔ حصہ سوم میں منٹو، کرشن چندر، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی، احمد ندیم قاسمی، خواجہ احمد عباس، ممتاز مفتی، قرۃ العین حیدر، دیوندر ستیارتھی، خدیجہ مستور، شفیق الرحمٰن، تسنیم سلیم چھتاری کی شخصیت پر مضامین شامل ہیں۔ اسی ذیل میں پروفیسر فراق، فیض احمد فیض، کنہیا لال کپور، شاہد احمد دہلوی، کلیم الدین احمد، سرور صاحب کے عنوان سے مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ حصہ چہارم میں لاہور، دلی، لکھنؤ اور حیدرآباد دکن کی ادبی شخصیتوں کے بارے میں نادر مضامین شایع کیے گئے ہیں۔ آخر میں

''انتظاریہ'' کے عنوان سے تاخیر سے موصول ہونے والے مضامین کو جگہ دی گئی ہے۔ یہ مضامین جن شخصیات کے بارے میں ہیں ان میں سر سیّد احمد خان، ڈپٹی نذیر احمد، ریاض خیر آبادی، پریم چند، سر عبدالقادر، ڈاکٹر تاثیر، میراجی، ظفر علی خان، نیاز فتحپوری، پطرس، جوش ملیح آبادی، عبدالمجید سالک، چراغ حسن حسرت، غلام رسول مہر، وقار عظیم، ابواللیث صدیقی، عبادت بریلوی، غلام عباس، حجاب امتیاز علی، ہاجرہ مسرور اور شوکت تھانوی شامل ہیں۔

شخصیات کی درجہ بندی اور انھیں مختلف حصوں میں جگہ دینے کا جواز بیان کرتے ہوئے محمد طفیل لکھتے ہیں:

> ''پہلے حصہ میں صرف مرحومین کو رکھا ہے۔ خواہ وہ آج سے پچاس برس پہلے ہم سے رخصت ہوئے ہیں۔ خواہ ایک برس پہلے۔ پھر بھی اس حصے میں زمانی ترتیب موجود ہے۔ ان مشاہیر کی شمولیت اس حقیقت کی دلیل ہے کہ ان سب کی ادبی حیثیت مسلمہ ہے۔ دوسرے حصہ میں وہ اہلِ قلم شامل ہیں جو اپنی ایک مستقل ادبی حیثیت بنا چکے ہیں۔
>
> تیسرے حصہ میں آج کے نقاد، شاعر اور افسانہ نگار ہیں، جن میں سے بیشتر کی ادبی خدمات کو تسلیم کیے بغیر چارۂ کار نہ ہوگا۔ بہت ممکن ہے۔ اس حصہ میں کچھ نام کھٹکیں۔ لیکن میں نے ان کی بے پناہ صلاحیتوں اور خداداد ذہانت کے خوف سے شامل کرلیا ہے۔ اس لیے کہ اس کا بڑا امکان ہے کہ وہ چند ہی برسوں بعد اپنے پیشرووں سے پیچھے نہ رہیں۔ چونکہ اس نمبر کی آج کے لیے کم اور کل کے لیے زیادہ اہمیت ہے اس لیے ان سب کی شمولیت ناگزیر تھی۔
>
> اس حصہ کے بعد ایک بڑا ہی اہم سیکشن اُردو کے مرکزوں یعنی لاہور، دلی، لکھنؤ اور حیدرآباد دکن کی کچھ نمایاں علمی و ادبی شخصیتوں کے بارے میں ہے جو نامکمل بھی ہے اور مکمل بھی۔ مکمل اس لیے کہ ایک دور کی شخصیتیں آ گئی ہیں اور نامکمل اس لیے کہ کسی ایک اہلِ قلم سے یہ توقع رکھنا مناسب نہیں کہ وہ شخصی طور پر سب (نئے اور پرانوں) کو جانتا ہے۔ یہ حصہ اس لحاظ سے بھی بڑا کارآمد ہے کہ بعض ان اہم ادبی شخصیتوں کا بھی ذکر آ گیا ہے جن پر الگ الگ مضامین حاصل کرنا میرے بس میں نہ تھا۔ آخری حصہ انتظاریہ ہے۔
>
> اس حصہ میں بعض مضامین ایسے ہیں جو بڑی مشکلوں سے ملے۔ تاخیر کا سبب بھی یہی مضامین ہوئے۔ ان مضامین کی عدم اشاعت، اس نمبر کی نمایاں خامی ہوتی۔ اتنی تاخیر بھی گوارا کی اور جتنی انسانی کوششیں ہوسکتی تھیں ان سے بھی کام لیا۔ پھر بھی

کچھ شخصیتوں پر مضامین نہ ہو سکے۔ خدا نے چاہا تو اس کمی کو آئندہ پورا کر دیا جائے گا۔ اس حصہ کی ترتیب بھی حسبِ سابق ہے۔ پہلے مرحومین ہیں جو سرسیّد سے شروع ہو کر میرا جی پر ختم ہوتے ہیں۔ پھر وہ اہلِ علم ہیں جن کے قلم کی سحر کاریوں سے موجودہ ادب مالا مال ہے۔ یہ حصہ ظفر علی خان سے غلام رسول مہر تک ہے۔ اس کے بعد نئے تقاضوں سے گہری وابستگی رکھنے والے نقاد اور افسانہ نگار ہیں۔ میرے خیال میں شوکت تھانوی اور حجاب امتیاز علی کو اس سے پہلے حصے میں آنا چاہیے تھا لیکن یہ دونوں مضامین اتنی تاخیر سے ملے کہ میں انھیں اس جگہ رکھنے پر مجبور ہو گیا۔ ...اس نمبر میں زیادہ تر اسکیچ ہیں اور یہی ہمارا مقصد تھا۔ صرف چند مضامین ایسے ہیں جو اسکیچ کی بجائے سوانحی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ چونکہ ایسے مضامین سے بھی شخصیت کے خدوخال اجاگر ہوئے ہیں۔ اس لیے موضوع کی مطابقت کے پیشِ نظر انھیں بھی شریکِ اشاعت کر لیا گیا ہے۔'' ۵۶

ڈاکٹر صدیق جاوید ''نقوش شخصیات نمبر'' کو اُردو خاکہ نگاری کی تاریخ کا سنگ میل قرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ:

''خود محمد طفیل نے اس نمبر سے انسپائر ہو کر اپنے خاکوں کے مجموعے پرچم کی طرح نمایاں کیے... ایک بات پورے اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ہمارا موجودہ مورخ شواہد کی روشنی میں اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ نقوش کے شخصیات نمبروں نے اُردو میں خاکہ نگاری کی روایت کو اتنا مستحکم کیا کہ اسے ایک باوقار اور معتبر صنف ادب ہونے کا داعی بنا دیا بلکہ حق بات تو یہ ہے کہ خاکہ نگاری (شخصیت نگاری) کو صنف کا پایہ نقوش شخصیات نمبر کے طفیل نصیب ہوا۔'' ۵۷

نقوش شخصیات نمبر حصہ دوم میں کل ۸۸ شخصیات کے بارے میں مضامین شامل ہیں اس کی ترتیب میں بھی پہلے حصے کی طرح مختلف درجوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ پہلے درجے میں داغ دہلوی، اکبر الٰہ آبادی، وقار الملک، عماد الملک، ڈاکٹر ضیاء الدین احمد، مولوی چراغ علی، نظام رامپوری، شاد عظیم آبادی، نصیر حسین خیال، امداد امام اثر، علامہ عبداللہ العمادی، پنڈت برج نرائن چکبست، مولانا احسن مارہروی، دیا نرائن نگم، سائل دہلوی، چودھری افضل حق، سیماب اکبر آبادی، میرزا یگانہ چنگیزی، رضا علی وحشت، سلطان حیدر جوش، اختر شیرانی، ابوسعید بزمی، رشید جہاں، مجاز، مولوی محمد داؤد عباسی اور مجذوب شامل ہیں۔ دوسرے حصے میں ڈاکٹر رام بابو سکسینہ، جوش ملسیانی، تلوک چند محروم، عبدالرزاق ملیح آبادی، ڈاکٹر عابد حسین،

عرشی رامپوری، سید امتیاز علی تاج، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، مسعود حسن رضوی، علی عباس حسینی، حامد علی خان، رئیس احمد جعفری، شبلی بی کام، شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی، ڈاکٹر غلام جیلانی برق اور اے آر خاتون شامل ہیں۔ تیسرے حصے میں ڈاکٹر سید اعجاز حسین، سید احتشام حسین، اختر حسین رائے پوری، اختر اورینوی، حیات اللہ انصاری، اوپندر ناتھ اشک، حفیظ ہوشیار پوری، ن۔م راشد، احمد علی، اختر انصاری، شاد عارفی، سید عبدالحمید عدم، معین احسن جذبی اور شکیلہ اختر کے نام شامل ہیں۔

چوتھے حصے میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا حسین احمد مدنی، سید ابوالاعلیٰ مودودی، علامہ مشرقی، عطاء اللہ شاہ بخاری، ایس اے رحمٰن، حمید نظامی اور شورش کاشمیری شامل ہیں۔ پانچویں حصے میں حیدرآباد، علی گڑھ، بہار اور سرحد کی شخصیتوں پر مضامین شایع کیے گئے ہیں۔ ''انتظاریہ'' کے ذیل میں سر سید احمد خاں، خاں بہادر مولوی بشیر الدین، نواب محسن الملک، امیر مینائی، سر تیج بہادر سپرو، عبدالرزاق کانپوری، لالہ سری رام، سید علی بلگرامی، منشی سجاد حسین، مرزا محمد ہادی، عزیز لکھنوی، محمد دین فوق، عشرت لکھنوی، اصغر گونڈوی، تاجور نجیب آبادی، صفی لکھنوی، دل شاہجہان پوری، فلک پیما، مالک رام اور احسان دانش کے نام شامل ہیں۔

''نقوش'' کے شخصیت نمبر کے دونوں حصے مجموعی طور پر ۱۷۴ شخصیتوں کا احاطہ کرتے ہیں اور یہ وہ شخصیات ہیں جو گذشتہ ڈیڑھ سو برس کے زمانے سے تعلق رکھتی ہے۔ محمد طفیل نے ان شخصیات کے بارے میں مضامین لکھوانے، جمع کرنے اور ترتیب دینے میں جو محنت صرف کی ہے اس کا اندازہ محض فہرست دیکھ کر ہی ہو جاتا ہے۔ تاہم جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے شخصیات نمبر کی سب سے اہم عطا خاکہ نگاری ہے جسے اس نمبر کی اشاعت کے بعد فروغ حاصل ہوا۔ بقول ڈاکٹر صابرہ سعید:

> ''یہ ضخیم نمبر سات سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اگر طفیل صاحب اس خاص نمبر کو مرتب کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہ لکھتے تب بھی اس نمبر میں ان کا جمع شدہ سرمایہ اتنا تھا جو ان کے نام کو اس صنف کے پروان چڑھانے والوں میں ممتاز حیثیت عطا کرنے کے لیے کافی تھا۔'' ۵۸

ڈاکٹر صدیق جاوید ان شخصیات نمبروں (حصہ اوّل، دوم) کے حوالے سے یہ خیال ظاہر کرتے ہیں:

''ان نمبروں کی اشاعت اور کامیابی نے محمد طفیل کو نئے نئے موضوعات پر ضخیم نمبر پیش کرنے کا حوصلہ بخشا... ادھر اُردو ادب کے قاری نقوش کے اس نمبر کے سحر و طلسم میں گرفتار ہو گئے ادھر اس نمبر نے محمد طفیل مرحوم کو ادب کی نئی سرزمینوں کی دریافت اور سیاحت پر آمادہ کیا اور علم و نظر کی چوٹیوں کو سر کرنے کا جنون دیا۔ ''نقوش'' کا اسمِ اعظم طفیل کے ہاتھ میں تھا، سحر زدہ قاری طفیل کے قدم پر قدم رکھ کر چلنے لگا۔''۵۹

ڈاکٹر صدیق جاوید اس سلسلے میں مزید لکھتے ہیں:

''نقوش کے شخصیات نمبروں کی ... سب سے بڑی کنٹری بیوشن یہ ہے کہ اس کی اشاعت نے قاری اور ادیب میں دوری اور فاصلے کو کم کرکے دونوں کے درمیان قرب اور یگانگت پیدا کی۔ ان شماروں کے مندرجات سے نہ صرف زعماء و عظما کے طرزِ احساس کو سمجھنے اور ان کی انفرادی کاوشوں کو جاننے کا موقع ملا بلکہ انھیں مجموعی تاثر کے نتیجے میں مختلف ادبی رجحانات، مختلف ادبی تحریکوں اور مختلف ادبی زمانوں سے واقفیت حاصل ہوئی۔ گویا ان شخصیات نمبروں کی بدولت نہ صرف عام قارئین بلکہ خود ادیبوں کو دوستانہ علمی و ادبی فضا میں سانس لینے کا موقع ملا۔''۶۰

یہاں ''نقوش'' کے شخصیات نمبر پر بابائے اُردو مولوی عبدالحق اور دیگر عمائدین ادب کے تبصرے دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے جو انھوں نے محمد طفیل کے نام اپنے خطوط میں کیے۔ مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

''نقوش'' (شخصیات نمبر): یہ پوٹ کی پوٹ، اکٹھے سات سو صفحے، خدا کی پناہ! اسے رسالہ کون مسخرہ کہتا ہے، یہ تو ابوالرسائل ہے۔ اس پر اظہار رائے آسان نہیں۔ اتنی ساری شخصیتیں اور ان پر لکھنے والوں کی شخصیتیں اور ان پر مقالے، ایک طومار ہے، یہ نمبر دراصل قاموس شخصیات ہے جو مدتوں یادگار رہے گا اور لوگ حوالے اور استناد کے لیے اسے ڈھونڈا کریں گے۔ آپ کا ہر نمبر کسی خاص موضوع پر ہوتا ہے اور یہ آپ کا کمال ہے کہ ہر موضوع پر اچھے اچھے لکھنے والے آپ کو مل جاتے ہیں مگر تازہ شخصیات نمبر سب پر بازی لے گیا۔ اب صرف ایک شخصیت رہ گئی ہے جو عجیب و غریب ہے۔ اس کا لکھنے والا ایک نہیں ہوسکتا، کئی ہوں گے۔ عجب نہیں کسی روز پورا نمبر آپ ہی کی شخصیت پر نکلے۔''۶۱

رشید احمد صدیقی رقمطراز ہیں:

''نقوش کا شخصیات نمبر بہت اچھا نکلا۔ اس نمبر کے گراں بہا ہونے میں شبہ نہیں۔ اُردو کے خدمت گزاروں کے بارے میں بڑی مفید، دلچسپ اور مستند باتیں اکٹھی

کردی گئیں ہیں اور آپ اس خدمت اور کارنامے پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔‘‘ ۶۲؎

مولانا امتیاز علی عرشی لکھتے ہیں:

’’میں نے اس نمبر کو پہلی بار دیکھا تو حیرت میں رہ گیا۔ اور جب اسے پڑھ لیا تو دہشت طاری ہوگئی۔ اللہ اکبر! اتنی شخصیتوں کے متعلق ایسی دل چسپ اور مفید معلومات اتنی کم مدت میں آپ نے جمع کرکے پیش کردیں کہ میں اسے ادبی کرامت یا معجزہ تو کہہ سکتا ہوں سعی و کوشش کا نتیجہ کہہ کر اس کی غیر معمولی اہمیت کو کم کرنا پسند نہیں کرتا۔‘‘ ۶۳؎

مولانا عبدالمجید سالک لکھتے ہیں:

’’نقوش کا شخصیات نمبر اُردو کے ادبی رسالوں کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ شخصیات کی تعداد، ان کی بوقلمونی، رسالے کی ضخامت، اس کی حسین طباعت، غرض ہر چیز آپ کی خوش ذوقی، بے پناہ محنت اور اولوالعزمی کا پتہ دیتی ہے۔ یہ نمبر اُردو زبان کے آئندہ مورخین کے لیے قابلِ قدر ماخذ کا کام دے گا۔ یہ بہت بڑا کارنامہ ہے اور اس کی قدر نہ کرنا پرلے درجے کی سنگدلی ہے۔‘‘ ۶۴؎

’’نقوش‘‘ کا ’’لاہور نمبر‘‘

’’نقوش‘‘ کا ’’لاہور نمبر‘‘ (شمارہ نمبر ۹۲) فروری ۱۹۶۲ء میں منظر عام پر آیا۔ جس میں لاہور کی نو سو سالہ جامع اور مستند تاریخ جمع کردی گئی ہے۔ ’’لاہور نمبر‘‘ کی فہرست کم و بیش ۴۵ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب اپنی جگہ لاہور کی تہذیب کی مفصل روداد پیش کررہا ہے۔ پہلا مضمون ’’لاہور__ تاریخِ قدیم کی نظر میں‘‘ پرانے لاہور کو پہچاننے کی کوشش ہے جبکہ دوسرے مضمون ’’لاہور__ تاریخ، تاسیس اور وجہ تسمیہ‘‘ میں چوتھی صدی ہجری سے آغاز تحقیق کیا گیا ہے اور بتدریج ماضی قریب کی طرف پیش رفت کی گئی ہے۔ ’’لاہور کی سیاسی اور ثقافتی تاریخ‘‘، ’’لاہور نمبر‘‘ کا طویل ترین باب ہے جس کا آغاز غزنوی دور سے ہوتا ہے اور اختتام لاہور کے حاکموں، ناظموں اور نائب السلطنت لوگوں کی فہرست پر۔ اس سات آٹھ سو سال کی مدت میں لاہور کی سیاسی فضا نے کیا کیا رنگ اختیار کیے اور سیاسی اقتدار پر کن کن شخصیتوں نے قبضہ جمایا۔ یہ تمام باتیں ضروری جزئیات کے ساتھ الگ الگ ذیلی سرخیوں اور عنوانات کے ساتھ بیان کردی گئیں ہیں۔

دوسرا باب ''مآثر لاہور۔ باغات و مزارات'' اپنے عنوان کے باوصف اس باب کا پہلا حصہ ہے۔ اس کے دوسرے حصے کا عنوان ہے ''شباب لاہور عہد مغلیہ میں'' اس باب کے دونوں حصوں میں مزارات اور باغات کے تفصیلی کوائف درج کیے گئے ہیں۔ اگلے باب میں لاہور کے علمائے کرام اور دینی مدرسوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ مساجد کا باب کافی طویل ہے۔ اس باب میں لاہور کی کم و بیش ان تمام مساجد کے تعمیری کوائف دیے گئے ہیں جو ماضی میں بنائی گئیں تھیں۔ ان مسجدوں کا ذکر عہد غزنوی سے شروع ہوتا ہے اور زمانہ حال (۱۹۶۲ء) تک جاری رہتا ہے، کتب خانے کے باب میں لاہور کے تمام ذاتی و پبلک کتب خانوں کا مفصل حال بیان کیا گیا ہے۔

شاہی قلعے، عجائب گھر اور چڑیا گھر کے لیے الگ الگ باب مختص کیے گئے ہیں۔ لاہور کے دروازے تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس باب میں لاہور کے تیرہ دروازوں کی کیفیت بیان کی گئی ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔ دہلی دروازہ، اکبری دروازہ، موتی یا موچی دروازہ، شاہ عالمی دروازہ، لہاری (لوہاری) دروازہ، موری دروازہ، بھاٹی دروازہ، ٹکسالی دروازہ، روشنائی دروازہ، مستی دروازہ، کشمیری دروازہ، شیرانوالا یا خضری دروازہ، ذکی یا یکی دروازہ۔ ایک طویل باب لاہور کے اکھاڑوں کو محیط ہے۔ اس باب میں لاہور کے تمام معروف اکھاڑوں اور ان سے وابستہ نامی گرامی پہلوانوں کے حالات کو سمیٹا گیا ہے۔ اسی طرح ان کھاڑوں کے بارے میں مختلف روایتیں بھی درج کردی گئیں ہیں۔ اسی طرح لاہور کے تکیوں، میلوں ٹھیلوں، ڈرامے، تھیٹر، فلم کا بھی ذکر ہے اوران تمام مشہور اطباء کا احوال بھی درج کیا گیا ہے جو عہدِ مغلیہ سے لے کر موجودہ دور تک اپنی اپنی زندگی میں طب کی ترقی وفروغ کے لیے کوشاں رہے۔

محمد طفیل لاہور کی ثقافتی زندگی میں رنگ بھرنے والے موسیقاروں کو بھی نہیں بھولے۔ چنانچہ لاہور کے گانے والوں، گانے والیوں اور گانوں کی طرزیں بنانے والوں کو بھی ''لاہور نمبر'' میں جگہ دی ہے۔ یہاں کلارنٹ نوازوں، پیانو نوازوں، نے نوازوں اور سرود نوازوں کا ذکر بھی ملتا ہے اور قوالوں کا تذکرہ بھی۔

لاہور کے مورخین، ادیبوں، شاعروں کے علاوہ وہ تمام سیاسی اور ادبی تحریکیں بھی اس نمبر میں سما گئی ہیں جنھوں نے اپنے اپنے وقت میں لاہور کی زندگی میں مدوجزر پیدا کیے۔

محمد طفیل کی وسعتِ نظر کی داد دینا چاہیے کہ انھوں نے لاہور کی اجتماعی زندگی کے کسی پہلو کو نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ بقول میرزا ادیب:

''طفیل صاحب نے نقوش کے لاہور نمبر میں جو وسیع و عریض گلستان سجایا ہے اس کا کوئی پیڑ، کوئی پودا اور کوئی پھول ایسا نہیں ہے جسے فالتو یا بیکار سمجھا جائے۔ ہر پیڑ کی اپنی شان ہے۔ ہر پودے کی اپنی بہار ہے اور ہر پھول کا اپنا رنگ اور اپنی بو ہے اور پھر پہلی بات سے بھی زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ہر ہر پیڑ، پودے اور پھول نے گلستان کے مجموعی حسن میں ایسا اضافہ کیا ہے کہ یہ گلستان رشکِ ارم بن گیا ہے۔'' ۶۵

نقوش کے لاہور نمبر پر اپنی رائے دیتے ہوئے مولانا علم الدین سالک لکھتے ہیں:

''لاہور جو ایک بہت بڑا مرکز ہے ہمارے علم کا، ہماری تعلیمی سرگرمیوں کا، ہماری ثقافت کا، پاکستان کے اندر یہی ایک شہر ہے جس کا ہماری تاریخ کے ساتھ بہت زیادہ تعلق رہا۔ اس کے بارے میں بھی بڑی مختصر سی چند کتابیں تھیں جو زائد المیعاد ہو چکی تھیں۔ نقوش نے لاہور نمبر نکالا۔ اب میرا خیال ہے کہ آج اس نمبر کو سامنے رکھ کر لاہور کی تاریخ کی تدوین بہ آسانی ہو سکتی ہے اور ہونی چاہیے۔ اگر بلگرام جیسے قصبے، کاکوری جیسے قصبے کی تاریخیں لکھی جا سکتی ہیں تو یقینی طور پر لاہور کا بہت بڑا حق ہے۔ لاہور نے ہماری فنِ تعمیرات میں، ادب میں، ثقافت اور معاشرے میں بڑے بڑے انقلاب دیکھے، ان انقلابات کو یکجا کرنا ضروری ہے تا کہ جو نسلیں آ رہی ہیں اس کو پڑھیں اور ان کے دل و دماغ میں ایک ذہنی انقلاب پیدا ہو۔'' ۶۶

''لاہور نمبر'' کو اگر لاہور کا انسائیکلو پیڈیا کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ لاہور جب سے اس کرۂ ارض پر وجود پذیر ہوا، تب سے اب تک یہ ان گنت صدیوں کا سفر طے کر چکا ہے۔ اس دوران میں لاہور کی سرزمین پر جو انقلابات گزرے ان کی ساری روداد کہیں مختصراً اور کہیں تفصیل کے ساتھ بارہ سو صفحات میں سمو دینا یاد رکھے جانے کے لائق کام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد طفیل نے شب و روز کی محنت کے بعد نقوش کے لاہور نمبر میں ایسے علمی، تحقیقی اور معلومات افروز نوادرات جمع کر دیے ہیں جن کی اہمیت کسی دور میں بھی کم نہیں ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ نئے علمی اکتشافات سے لاہور کے بارے میں ہماری معلومات میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے گا لیکن جو مقالات، مضامین، تصاویر لاہور نمبر میں فراہم کر دی گئیں ہیں ان کی اپنی ایک اہمیت اور افادیت ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔

''نقوش'' کا ''میر تقی میر نمبر''

''نقوش'' نے جہاں اپنے بلند پایہ فکر انگیز نمبروں کے ذریعے ادب کی جملہ اصناف اور ادب کی مجموعی صورتِ حال کو نمایاں کیا ہے، وہاں انفرادی سطح پر نامور شعراء اور ادباء پر خصوصی نمبر شایع کر کے بھی مثال قائم کی ہے۔ چنانچہ ہم نے زمانی ترتیب سے قطع نظر ان نمبروں کو اپنے موضوع کے اعتبار سے جائزے کے لیے الگ رکھا ہے۔ ان نمبروں میں ایک اہم نمبر ''میر تقی میر نمبر'' ہے۔ ''میر تقی میر نمبر'' تین شماروں (شمارہ نمبر ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۳۱) کی صورت میں شایع ہوا۔ شمارہ نمبر ۱۲۵، اکتوبر ۱۹۸۰ء میں شایع ہوا۔ شمارہ نمبر ۱۲۶، نومبر ۱۹۸۰ء میں چھپا اور شمارہ نمبر ۱۳۱، اگست ۱۹۸۳ء میں منظر عام پر آیا۔

''میر تقی میر نمبر'' کا حصہ اول اس نایاب مخطوطے پر مشتمل ہے جو ۱۲۰۳ھ میں میر کی زندگی ہی میں رقم ہوا۔ تقریباً دو صدیوں پرانے اس مخطوطے میں میر کا غیر مطبوعہ کلام بھی شامل ہے۔ محمد طفیل اس دریافت پر فخر محسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''آپ نہ جانے کیا محسوس کرتے ہوں۔ میں تو ایسی ادبی دستاویزات کی دریافت پر ایسا محسوس کرتا ہوں جیسے میں نے صدیوں کو لمحہ لمحہ بسر کیا ہو۔ جیسے میرا وجود تین صدیوں پر محیط ہو۔'' ۶۷

محمد طفیل کو اس امر کا افسوس رہا کہ ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری نے، جنھوں نے اس نسخے کو دریافت کیا اور اسے مرتب و مدون کیا، اپنے وعدے کا پاس نہ کرتے ہوئے اسے ہندوستان سے چھپوا دیا اور یوں پاک و ہند میں اس نایاب نسخے کو پہلی بار چھاپنے کا اعزاز ''نقوش'' کو حاصل نہ ہوسکا۔ تاہم یہ اعزاز بھی کم نہیں کہ پاکستان میں اس نسخے کو پہلی بار نقوش ہی نے شایع کیا۔ ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری نے ''حرفے چند بطور معذرت'' کے عنوان سے آغاز میں چند سطور لکھی ہیں جس میں وعدہ کے ایفا نہ ہونے پر معذرت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''مجھے بخوبی علم ہے کہ ادارہ نقوش برسوں پہلے اعلان کر چکا تھا کہ ہم میر کا ایک ایسا دیوان چھاپ رہے ہیں جو پہلے نہیں چھپا اور اس کا خاصا حصہ غیر مطبوعہ اشعار پر مشتمل ہوگا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ادارۂ نقوش نے زرِ کثیر صرف کر کے اس کی کتابت بھی کرائی تھی۔ بدقسمتی سے انہی دنوں ہندو پاک کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ آخر میں طبلِ جنگ بھی بجا۔ رسل و رسائل کے ذریعے مسدود ہو گئے اور دیوان میر کی اشاعت کے لیے میری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ ادھر طفیل صاحب

اپنے دیگر علمی و ادبی کاموں میں مصروف تھے اور ادھر دیوان کی اشاعت کے سلسلے میں میرا دامنِ صبر چھوٹنے لگا۔ آخر کار میں نے اپنے ضمیر کے خلاف بحالتِ مجبوری اسے یہاں سری نگر سے شایع کرایا۔ راقم دیوان میر اور دوسری نایاب تخلیقات کو ادارۂ نقوش لاہور سے شایع کرانا چاہتا تھا کہ اس کے ایڈیٹر محمد طفیل صاحب جنھیں لوگ محمد نقوش بھی کہتے ہیں۔ سالہاسال سے مردِ بے تیغ کی طرح خاموش جہاد کر رہے ہیں۔ جس محنت، لگن اور جذبے کے ساتھ وہ خاص نمبر شایع کرتے رہے ہیں اس کی نظیر دنیائے ادب میں نہیں ملتی اور وہ نمبر اُردو کی آبرو اور مستقبل کی دستاویزات ہیں۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ جو معاہدہ میں نے دیوانِ میر کی اشاعت کے لیے ادارہ نقوش سے کیا تھا بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر اس کی پابندی مجھ سے نہ ہوسکی۔ جب اس کی اطلاع طفیل صاحب کو ملی تو انھوں نے نہایت ہی مہذبانہ الفاظ میں ایک شکایت نامہ لکھ بھیجا:

> ''آپ نے بڑا ظلم کیا۔ جو دیوانِ میر کو خود چھاپ لیا۔ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا یا یہ کہ میں نے آپ سے گزارش کی تھی کہ اس دستاویز کو میں چھاپوں گا۔ آپ کی وساطت سے میری بھی واہ واہ ہو جاتی۔ سچ میں حشر کے دن بھی آپ سے اس زیادتی کا شکوہ کروں گا۔''

معاہدہ کی خلاف ورزی کے باوجود وہ دیوانِ میر کے نسخۂ لاہور کے نام سے شایع کر کے ادب نوازی کے سہرے میں ایک اور پھول کا اضافہ کر رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ نقوش کی اشاعت سے دیوانِ میر کا یہ بیش بہا تحفہ صحیح ہاتھوں میں پہنچے گا۔''[۶۸]

ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری کی اس تحریر کے نیچے حاشیے میں محمد طفیل نے یہ سطور درج کی ہیں:

> ''محبی ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری صاحب نے جو کچھ کیا یا سوچا۔ وہ انھوں نے رقم کر دیا۔ میں نے اس تحریر کو اس لیے چھاپ دیا کہ ایک دوست کی تحریر ہے (مدیر)''[۶۹]

اس نمبر میں میر کی ۱۵ غزلیں، ۲ قصائد، ایک مثنوی، ۸ رباعیات اور مختلف مخطوطات اور تذکروں سے حاصل کردہ ۱۲۹۷، اشعار یعنی کل ۴۷۴ غیر مطبوعہ اشعار پاکستان میں پہلی بار منظرِ عام پر لائے گئے۔ اسی طرح ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری کے دستاویزی مخطوطے کے ساتھ ادارہ نقوش کی طرف سے میر کے پورے کلام کے انتخاب کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ انتخاب کے علاوہ ''فرہنگِ میر'' کے عنوان سے فرہنگ بھی پیش کی گئی ہے۔

''میر تقی میر نمبر'' حصہ دوم میں میر کی شخصیت اور فن کے حوالے سے مختلف ادبا اور اہل قلم کے لکھے ہوئے نادر و نایاب مضامین جمع کیے گئے ہیں۔ یہ نمبر چار حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول میں عبدالباری آسی، ڈاکٹر مولوی عبدالحق، اثر لکھنوی، سر شاہ محمد سلطان اور مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی کے وہ دیباچے شامل ہیں جو ان اکابرین نے کلیات میر، انتخاب میر، مزامیر، مثنویات میر اور نکات الشعراء کے سلسلے میں تحریر کیے۔ حصہ دوم میں میر کے حالات زندگی، اور ان کے عہد کی تاریخ کے حوالے سے قاضی عبدالودود، حسن واصف عثمانی، ڈاکٹر سید محی الدین زور، مرزا محمود بیگ، مسعود حسن رضوی، نادم سیتاپوری اور مالک رام کے لکھے ہوئے مضامین شامل ہیں۔ حصہ سوم میں میر کے فن پر آل احمد سرور، ڈاکٹر سید عبداللہ، مجنوں گورکھپوری، امرناتھ جھا، شبیہ الحسن نونہروی، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، کلیم الدین احمد، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، میرزا یگانہ چنگیزی، محمد حسن عسکری، ڈاکٹر صفدر آہ، ڈاکٹر ابو محمد سحر، ڈاکٹر گیان چند، ڈاکٹر سلامت اللہ خان، اظہر راہی، میرزا ادیب، ناصر کاظمی اور کسریٰ منہاس نے قلم اٹھایا ہے۔ حصہ چہارم میں میر کی زبان اور ان کے فارسی کلام کے حوالے سے وحید الدین سلیم، ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر سید میر حسن عابدی اور اختر علی تلہری کے مضامین شامل ہیں۔ آخر میں ''انتظاریہ'' کی ذیل میں ''مطالعہ میر'' کے عنوان سے ڈاکٹر جمیل جالبی کا مضمون شامل اشاعت ہے۔ اس نمبر کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں محمد طفیل لکھتے ہیں:

> ''میں نے بہت کم نمبروں کو اس طرح مدون و مرتب کیا ہے جیسا کہ اس نمبر کو، مثلاً غالب پر جو نمبر پیش کیے ان کے لیے نئے مضامین لکھوائے۔ اقبال پر جو نمبر پیش کیے وہ بھی سب کے سب نئے مضامین تھے۔ مگر اس نمبر کے لیے دل نہ مانا کہ نئے مضامین لکھوائے جائیں۔
>
> اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ میں نے محسوس کیا کہ میر کے عشق میں اہلِ قلم نے از خود اتنے اچھے مضامین لکھے ہیں کہ ان کی موجودگی میں کسی نئی سعی کی ضرورت نہیں۔ اس کے باوجود، جن عنوانات کے تحت، نئے مضامین لکھوانے کی ضرورت تھی۔ وہاں لکھوائے بھی گئے....
>
> ان مضامین میں کہیں کہیں تکرار سے بھی واسطہ پڑے گا۔ اختلافِ رائے کا بھی مسئلہ سامنے آئے گا۔ ہمارے نزدیک یہ سب کچھ ادب کے قاری کے لیے جاننا ضروری تھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر صاد کہاں کیا جائے؟ اس کے لیے ہم آپ

کی خدمت میں ڈاکٹر جمیل جالبی کا ایک طویل مضمون ''مطالعہ میر'' پیش کر رہے ہیں۔ جو پہلی بار پیش کیا جا رہا ہے۔

اس نمبر کی تکمیل کے سلسلے میں، جہاں ہم نے نصف صدی تک کے مضامین کو کھنگالا ہے۔ وہاں ماضیِ قریب کے دو اہم مجموعوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔ مثلاً دلی کالج کے میر نمبر (مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی) اور حدیثِ میر (مرتبہ مقبول احمد لاری) اس طرح ان کرم فرماؤں کا بھی شکریہ واجب ٹھہرا۔ ایسی کٹھن راہوں میں اگر میں تنہا ہوتا تو ہو سکتا تھا کہ گم ہو جاتا۔'' ۵۷

''میر تقی میر نمبر'' جلد سوم میر پر تحقیقی کام کے حوالے سے ایک اہم نمبر ہے۔ اس میں میر کے کلام کے فارسی اور اُردو مخطوطات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ ''کلیات میر کا ایک نادر نسخہ'' کے عنوان سے مولانا امتیاز علی عرشی کا مضمون اور ''میر کا دیوانِ فارسی'' (غیر مطبوعہ) کے عنوان سے ڈاکٹر اکبر حیدری کا مضمون آغاز میں دیے گئے ہیں۔ پہلا مضمون رضا لائبریری رامپور میں میر تقی میر کے کلیات کے ایک نسخے کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے۔ اس نسخے میں نکات الشعراء کے علاوہ میر کی نظم و نثر کا سارا کام، چھ دواوین، دیوان فارسی، فیض میر اور ذکر میر شامل ہیں۔ دوسرا مضمون میر کے غیر مطبوعہ فارسی کلام کی دریافت پر مقدمے کی صورت میں ہے۔ میر کا یہ غیر مطبوعہ فارسی کلام پہلی بار نقوش منظرِ عام پر لایا ہے۔ اور بقول محمد نقوش:

''اس کی اشاعت کو ادب کی تاریخ ایک بڑے واقعہ کے طور پر یاد رکھے گی۔'' ۱۷

دیگر مضامین میں ڈاکٹر نیر مسعود رضوی کا مضمون ''مخطوطہ دیوان فارسی (نسخۂ رضوی)، محمد اکبر الدین صدیقی کا مضمون ''مخطوط، میر کا کلیات فارسی (عکسی)''، مظفر علی سید کا مضمون ''میر کی فارسی سخن گوئی''، ڈاکٹر حنیف نقوی کا مضمون ''میر کے دیوان سوم کا ایک نادر قلمی نسخہ''، ڈاکٹر اکبر حیدری کا مضمون ''میر کا دیوان چہارم'' (نسخہ محمود آبادی)، ڈاکٹر حنیف نقوی کا مضمون ''نکات الشعراء کے مختلف خطی نسخے''، رالف رسل کا مضمون ''میر کی عشقیہ شاعری'' اور کسریٰ منہاس کا مضمون ''میر کی اصلاحیں'' شامل ہیں۔ محمد نقوش نے لکھا ہے کہ:

''یہ نمبر فارسی دان طبقہ کے علاوہ اُردو دان طبقہ سے بھی خراج وصول کرے گا۔ کیوں کہ اس نمبر میں بہ سلسلہ میر خاصے انکشافات ہیں۔'' ۲۷

مجموعی اعتبار سے نقوش کے ''میر تقی میر'' کے تینوں حصے اعلیٰ درجے کی ادبی تحقیق کے ذیل میں آتے ہیں اور میر تقی میر پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے ایک نادر تاریخی دستاویز ہیں۔

''نقوش'' کے ''غالب نمبر''

''نقوش'' کا ''غالب نمبر'' بھی تین شماروں (شمارہ نمبر ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۶) پر مشتمل ہے۔ جو وقفوں سے اپریل ۱۹۶۹ء، اکتوبر ۱۹۶۹ء اور ۱۹۷۱ء میں منظر عام پر آئے۔

نقوش کا پہلا ''غالب نمبر'' ۸۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ۵۳ مضمون نگاروں کے ۵۹ مضامین شامل ہیں (چھ اصحاب کی دو دو نگارشات شامل ہیں)۔ یہ نمبر غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر پیش کیا گیا۔ اس نمبر کے مندرجات کے حوالے سے محمد نقوش لکھتے ہیں:

> ''غالب پر اتنا کام ہوا ہے کہ نئے گوشے تلاش کرنا مشکل کام تھا۔ مگر مجھے خوشی ہے کہ اس نمبر میں بہت سی باتوں پر پہلی بار قلم اٹھایا گیا ہے۔ بہت سی باتیں پہلی بار منظر عام پر آرہی ہیں۔ غرض کچھ ریاضتیں، کچھ دریافتیں، کچھ اکتشافات، کچھ انکشافات!
> اس شمارے میں کچھ مضامین ایسے بھی چھاپے جا رہے ہیں جو منفی تنقید یا غالب کے خلاف کہے جا سکتے ہیں۔ ہمیں کسی کے بھی خیالات و جذبات پر قدغن نہیں لگانی چاہیے۔ اس لیے کہ ادب کا صحت مندانہ نظریہ یہی ہے۔ غالب کی مخالفت غالب کے زمانہ میں بھی تھی۔ آج بھی اگر چند ایک جیوٹ ہیں تو انھیں خندہ پیشانی سے قبول کر لیجیے۔''۳ے

نقوش کا یہ ''غالب نمبر'' اپنے نادر مشمولات کی بنا پر ایک قیمتی دستاویز کا درجہ رکھتا ہے۔ غالب کے سوانحی حالات پر دو نیم سوانحی ڈراموں کے علاوہ ان کے فن کی مختلف جہتوں پر جس منفرد انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے اس سے مضمون نگاروں کی فنی بصیرت اور وسعتِ نظر کا پتہ چلتا ہے۔ بقول ڈاکٹر سید معین الرحمٰن:

> ''مضمون نگاروں کے پایۂ علمی کی وجاہت اور ثقاہت کے حوالے سے ''نقوش'' کے اس غالب نمبر کو جو امتیاز حاصل ہے اس کی کوئی دوسری مثال کسی رسالے کے کسی ''غالب نمبر'' سے پیش نہیں کی جا سکتی۔''۴ے

غالب کے فن کے سلسلے میں متنوع موضوعات کی ایک طویل فہرست ہے جن پر لکھنے والوں نے اپنے اپنے انداز میں نئے نئے نکات پیدا کیے اور غالب کے جہان فن کے خوابیدہ گوشوں کو منظر عام پر لانے کی سعی کی ہے۔ ''غالب کی شاعری میں اخلاقی اقدار''، ''غالب کے ناشنیدہ اشعار''، ''غالب اور عربی زبان''، ''غالب اور رقیب''، ''غالب کی لسانی تصریحات''، ''غالب ایک گونگا شاعر''، ''اصلاحات غالب''، ''غالب اور تاریخ گوئی''، ''غالب اور تصور مرگ''،

''غالب ایک بے نیاز ناظر''، ایسے موضوعات ہیں جو غالب کی روایتی تفہیم سے الگ نئے تناظر میں ایک نئی دنیا کی خبر دیتے ہیں۔ اور ان میں ہر موضوع غالبیات کے سلسلے میں تحقیق کے نئے در وا کرتا ہے۔

نقوش کے ''غالب نمبر'' کا دوسرا حصہ زیادہ تر نو دریافت بیاض غالب بخطِ غالب پر مشتمل ہے۔ غالب صدی کی اس اہم ترین دریافت کو ''نقوش'' کے ذریعے منظر عام پر لانے کا اعزاز محمد طفیل کا شاید سب سے بڑا کارنامہ قرار پائے گا۔ محمد طفیل اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''کسی رسالے کا غالب نمبر نکالنا کوئی بڑی بات نہیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ سبھی نے اس موضوع پر نمبر نکالے۔ توفیق اور اہلیت کے مطابق داد بھی پائی۔ مگر میں نے دوسرے حصے کے سلسلے میں اعلان یہ کیا کہ اس میں صرف غالب کی کمیاب، نایاب اور غیر مطبوعہ تحریریں پیش کروں گا۔
>
> میرے اس اعلان کو جب ایک غالب شناس نے پڑھا۔ تو انھوں نے لکھا...
> ''غالب کی تو ایک ایک سطر چھپ چکی ہے۔ اس لیے اب آپ دوسرے حصے میں کیا چھاپیں گے؟''
>
> قدرت کو میرے اعلان اور جذبہ کی لاج رکھنی تھی، سو رکھی۔ وہ کام جو قریب قریب ناممکن تھا، ممکن ہوگیا۔ اب اگر میں کہوں کہ پوری ایک صدی میں غالب پر جو کچھ چھپا ہے اس میں یہ سب سے قیمتی دستاویز ہے تو اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس نمبر میں غالب کی اولین بیاض کو پہلی بار عکسی صورت میں پیش کیا جارہا ہے۔''[۵]

''بیاض غالب'' کے حوالے سے مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

> ''میرا احساس یہ ہے کہ یہ میرزا غالب کے متعلق آخری دریافت ہے۔ کیوں کہ بظاہر یہ میرزا کے مستند اُردو کلام کا پہلا مجموعہ ہے، جس کے بعد وہ فارسی کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اور اُردو میں گنتی کی نئی غزلوں کے سوا کچھ نہ کہہ سکے۔ البتہ کہے ہوئے کلام میں جزوی ترمیمیں ضرور کرتے رہے۔ یا ممکن ہے انھوں نے کہیں کہیں چند شعروں کا اضافہ کردیا ہو۔ یہی نسخہ ''نسخۂ حمیدیہ'' کی اصل واساس بنا۔ اسی میں تھوڑی سا اضافہ ہوا تو وہ نسخۂ شیرانی کہلایا۔ پھر خاصی لمبی مدت تک وہ اپنے آپ کو اُردو کے بجائے فارسی ہی کا شاعر سمجھتے رہے۔ یہاں تک کہ بادشاہ کے دربار سے وابستگی کے بعد اُردو اشعار کہے۔''[۶]

''بیاضِ غالب'' کی اشاعت پر فخر وانبساط کا اظہار کرتے ہوئے محمد طفیل لکھتے ہیں:

''غالب کی یہ نادر اور بے بہا، بیاض، اپنے محدود وسائل اور بعض مجبوریوں کے باوجود کم سے کم وقت میں ممکن حد تک بہتر اور خوبصورت انداز میں چھاپ کر ہم نے واقعی فخر کا احساس کیا ہے۔ اس لیے کہ آج تک اساتذہ متقدمین میں سے کسی کے قلم سے لکھی ہوئی ایسی بیاض دریافت نہیں ہوئی ہے۔...

غالب کا ایک دیوان تو متداول ہے جسے محمد حسین آزاد کے لفظوں میں ہم عینک کی طرح آنکھوں سے لگائے پھرتے ہیں، دوسرا نسخۂ بھوپال تھا جو ''دیوان غالب نسخۂ حمیدیہ'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ کچھ اور اہم نسخے گل رعنا (انتخاب) نسخۂ شیرانی، نسخۂ لاہور، نسخۂ لیاقت میوزیم، نسخۂ طاہر وغیرہ ہیں لیکن نقوش نے جو نسخہ دریافت کیا ہے وہ ان سب سے قدیم اور سب کی اساس ہے گویا اب ہم مرزا غالب کی شاعری کے منابع اور اس کے اولین نقوش کی بازیافت کے قابل ہو گئے ہیں۔ دوسرے تمام قلمی نسخے کاتبوں کے قلم سے لکھے گئے ہیں اگرچہ بعض کی تصحیح یا حاشیوں پر اضافی مرزا کے قلم سے ہوئے ہیں۔ لیکن نسخۂ امروہہ تمام تر غالب ہی کے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ ایسے بڑے شاعر کی ایک عظیم تصنیف کا اتنا اہم مخطوطہ ایک ایسے اہم سال میں اتنے ڈرامائی انداز سے دریافت ہو جانا اور چھپ جانا کیا کوئی معمولی ادبی سانحہ ہے؟ پھر ہم اس پر فخر کرنے میں کیا حق بجانب نہیں ہیں۔''[۲۷]

نقوش کا تیسرا ''غالب نمبر'' ۶۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ''غالب نمبر'' بھی موضوعات کے تنوع، قیمتی اور نادر مواد اور انکشافات، ترتیب کے حسن، اپنے مشمولات و مندرجات اور مضمون نگاروں کے وزن و وقار کے لحاظ سے بے حد وقیع ہے۔ اور غالب پر تحقیق کے ضمن میں مستقل یادگار کے طور پر حوالے کا درجہ رکھتا ہے۔ بقول محمد طفیل ''غالب نمبر۳'' کے لیے انھوں نے بہت محنت کی مگر اسے بادل نخواستہ نامکمل صورت میں پیش کرنا پڑا۔ اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں:

''میں نے ایک برس کی جدوجہد سے غالب نمبر (حصہ سوم) مرتب کیا تھا۔ کوئی ۱۳۰۰ صفحات کے لگ بھگ، جب ۲۰۴ صفحات چھپ گئے تو نیوز پرنٹ آرڈیننس جاری ہو گیا۔ چونکہ اہلِ بنگال نے ہنگامے شروع کر رکھے تھے۔ اس لیے رسل و رسائل کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اور نیوز پرنٹ چونکہ وہاں سے آتا ہے اس لیے مجبوریوں کا پھندا نقوش کے گلے میں بھی ڈال دیا گیا۔ کنٹرولر صاحب نے فرمایا خاص نمبر کے لیے کاغذ دینا ہمارے دائرہ اختیار میں نہیں۔ لہٰذا جتنا پرچہ چھپ چکا

ہے۔ اتنا ہی بازار میں لے آؤ۔ میں نے فریاد کی کہ میرے نزدیک اس نمبر کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی ایک جسم کے دو ٹکڑے کر دے۔ چونکہ بنگال میں کچھ اسی نوع کا کھیل کھیلا جا رہا تھا اس لیے میری گزارش کو کوئی اہمیت نہ دی گئی۔ اب جبکہ میں اپنی مسائی میں بالکل ہی ناکام ہو چکا ہوں تو اسی کاوش دو نیم کو لے کر حاضر خدمت ہو رہا ہوں۔ باقی معاملہ یہ کہ یار زندہ صحبت باقی۔''۷۸

''غالب نمبر۳'' کے غیر مطبوعہ حصے کو محمد طفیل ''غالب نمبر'' حصہ چہارم کے طور پر شایع کرانے کا ارادہ رکھتے تھے اور بقول ڈاکٹر معین الرحمٰن:

''نقوش'' کے اس موعودہ غالب نمبر (حصہ چہارم) کے سات سو صفحات کی کتابت شدہ کاپیاں میری نظر سے گزری ہیں۔ اس نمبر کا بیشتر کام وہ ۱۹۷۳ء تک مکمل کر چکے تھے... اور کوئی تین سو صفحات مزید کتابت کے لیے تیار تھے لیکن افسوس اسے وہ اپنی زندگی میں شایع نہ کر پائے۔''۷۹

''نقوش'' کا ''انیس نمبر''

''نقوش'' کا ''انیس نمبر'' (شمارہ نمبر ۱۲۸) نومبر ۱۹۸۱ء میں منظر عام پر آیا۔ اس نمبر کی اشاعت کے حوالے سے محمد طفیل لکھتے ہیں:

''ایک دن سوچا، میر، غالب، اقبال کے بعد چوتھا شاعر کون ہے؟ ذہن نے جھٹ فیصلہ کر لیا۔ میر انیس۔ اگر موضوع کی پاکیزگی اور بلندی کو دھیان میں رکھیں تو میر و غالب کٹ جاتے ہیں۔ اقبال اور انیس میدان میں رہ جاتے ہیں۔ پہلے تین شاعروں پر ادارۂ نقوش بساط بھر کام کر چکا ہے۔ باقی رہ گئے میر انیس۔ ان کے بارے میں کچھ کرنے کا خیال ضرور تھا۔ مگر محض نمبر چھاپنا تو کوئی بڑی بات نہ تھی۔ بڑی بات یہ تھی کہ کچھ ایسا نایاب مواد چھاپا جاتا جو زندہ رہنے والا ہوتا۔ لیجیے وہ آرزو بھی پوری ہوئی ایک صدی سے زیادہ عرصہ کی تحریریں مل گئیں اور کاغذ پر زندہ لفظوں کی سبیلیں لگ گئیں۔''۸۰

اس نمبر میں میر انیس کے مراثی کی جو تفصیل دی گئی ہے اس کے مطابق ان کے غیر مطبوعہ مراثی کی تعداد ۱۷ ہے جو مختلف بیاضوں سے دستیاب ہوئے۔ تلاش کیے گئے مراثی کی تعداد ۴ ہے۔ ان مراثی کی صورت یہ ہے کہ غلطی سے دو مرثیے مونس، ایک مرثیہ رئیس اور ایک مرثیہ انس کے نام سے شایع ہوگیا۔ اصل میں یہ مرثیے انیس کے ہیں۔ مطبوعہ (مگر غیر مطبوعہ) مراثی کی تعداد ۸ ہے۔ اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ جو مرثیے مطبوعہ

ہیں ان میں بھی ۲۶۹ بند غیر مطبوعہ ہیں، یوں یہ مطبوعہ مرثیے بھی، موجودہ صورت میں غیر مطبوعہ ہیں۔ اس طرح سے مراثی کی کل تعداد ۲۹ ہے جنھیں "باقیات انیس" کے عنوان سے ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری نے ترتیب دیا ہے اور اس پر ایک مبسوط مقدمہ تحریر کیا ہے۔

مضامین کے ذیل میں سید مسعود رضوی کا مضمون "میر انیس، مختصر تعارف" اور سید احتشام حسین کا مضمون "مطالعہ انیس" شامل ہیں۔ سید مسعود حسن رضوی نے اپنے مضمون میں میر انیس کے حالات زندگی، ان کی شخصیت اور فن کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ میر انیس۔ مختصر تعارف، میر انیس کی استعداد، میر انیس کی سیرت، میر انیس کی خوش بیانی، خوش آوازی اور مرثیہ گوئی، میر انیس کے چشم دید حالات، میر انیس کے عقیدت مند رفیق کا بیان، میر انیس کے دو استاد، سفر حیدرآباد، میر انیس کی وفات۔ ان عنوانات سے میر انیس کے حالات زندگی بڑی تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ دوسرا مضمون "مطالعہ انیس" میر انیس کی شاعرانہ بصیرت، فنی صلاحیت اور تخلیقی قوت اور قدر کو نمایاں کرتا ہے۔ بیان کا اظہار نہایت عالمانہ طور سے کیا گیا ہے۔ مرثیوں میں ایپک کی تلاش، ایپک میں معنوی حیثیت سے اعلیٰ مقاصد، بلند اخلاقی، خیر وشر کی کشمکش، اچھے اور برے نمونوں کی نمائش، انسانیت اور بہیمیت کا مقابلہ، بہیمانہ قوتوں کی صف آرائی اور ناقابل بیان مصائب کے ہجوم میں امام حسین اور ان کے رفقا کی بلندی کردار، مرثیے میں ڈرامائی عناصر کی فراوانی اور ٹریجڈی بننے کی ساری صلاحیتیں موجود ہیں۔ ان عنوانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ پروفیسر احتشام حسین کا مقالہ کتنی محنت اور مطالعہ کے بعد لکھا گیا ہے۔ اس مقالہ سے مرثیہ کی عظمت کے ساتھ ساتھ حضرت امام حسین کے صبر واستقلال کا بھی پتہ چلتا ہے اور دشمنان اہلِ بیت کی شقاوت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

"میر انیس نمبر" میں ۲۷ تصاویر بھی میں شایع کی گئی ہیں۔ ان تصاویر کا مختصر تعارف مرزا امیر علی جونپوری کی پرخلوص کوشش کے صلے میں لکھا گیا ہے۔ جو انھوں نے ان تصاویر کی فراہمی میں کی۔ ان کی محنت اور جانفشانی کی داد کہاں تک دی جائے... ان تصاویر کا تعارف مختصر مگر جامع الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔ جو حضرات میر انیس اور ان کے خاندان کے حالات معلوم کرنا چاہیں ان کے لیے یہ مضمون بہت کارآمد اور مفید ہے۔ میر انیس کی شان میں دو رباعیاں شمس العلماء الطاف حسین حالی نے کہی تھیں مولانا حالی کے خط میں ان دونوں رباعیوں کا عکس بھی "میر انیس نمبر" میں چھپا ہے۔ مولانا حالی کی تحریر، وہ بھی ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تبرک کا درجہ رکھتی ہے۔"[۸۱]

''نقوش'' کا ''اقبال نمبر''

''نقوش'' کا ''اقبال نمبر'' تین حصوں میں شایع ہوا۔ ''اقبال نمبر'' حصہ اول (شمارہ نمبر۱۲۱) ستمبر ۱۹۷۷ء میں شایع ہوا۔ اقبال نمبر حصہ دوم (شمارہ نمبر۱۲۲) نومبر ۱۹۷۷ء میں طبع ہوا۔ جبکہ ''اقبال نمبر'' حصہ سوم (شمارہ نمبر۱۲۳) دسمبر ۱۹۷۷ء میں منظر عام پر آیا۔ دیکھا جائے تو ''نقوش'' کے اپنے ''اقبال نمبر'' دو کی تعداد میں ہی شایع ہوئے شمارہ نمبر ۱۲۲، دراصل ''نیرنگِ خیال'' کے تاریخی اقبال نمبر کا نقش ثانی ہے جسے ''نقوش'' نے قندِ مکرر کے طور پر شایع کیا۔

''اقبال نمبر'' حصہ اول کے مندرجات کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ حالات و واقعات ۲۔ اقبال اور عشق رسولؐ

۳۔ اقبال جن سے متاثر ہوا ۴۔ اقبال کی شخصیت اور فن کے چند پہلو

۵۔ گمشدہ دستاویزات کی بازیافت

''حالات و واقعات'' کے ذیل میں دو مضامین ''حیات نامہ اقبال'' اور ''حیات اقبال'' اقبال کے سوانحی احوال و کوائف بیان کرتے ہیں۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے مضمون ''حیات نامہ اقبال'' میں علامہ اقبال کی زندگی کے تقریباً تین سو اہم واقعات کی تاریخ اور ماہ و سال کے تعین کے ساتھ نشاندہی کی گئی ہے۔ پروفیسر عبدالقوی دسنوی نے ''حیاتِ اقبال'' کے عنوان سے اقبال کے وطن، اسلاف، پیدائش، تعلیم اور ملازمت وغیرہ کے بارے میں اپنی تحقیقات پیش کی ہیں۔ ''اقبال اور عشق رسولؐ'' کے ذیل میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، ڈاکٹر محمد ریاض اور میرزا ادیب کے قابل قدر مضامین شامل ہیں۔ ''اقبال جن سے متاثر ہوا'' کے عنوان تلے ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، مولانا امتیاز علی عرشی، ڈاکٹر یوسف حسین خان، بشیر احمد ڈار، ڈاکٹر عبدالحق اور خواجہ عبدالرشید کے مضامین پیش کیے گئے ہیں۔ ان مضامین میں اقبال پر ابن عربی، عراقی، حافظ، سنائی، غالب اور دیگر مفکرین کے اثرات کی نشاندہی کی گئی ہے۔

''اقبال نمبر ا'' کے تیسرے حصے میں اقبال کی شخصیت اور سوانح سے متعلق مختلف اہلِ قلم کے ۱۹ مضامین شامل ہیں۔ ان مضامین کے عنوانات پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں کس طرح حیات اقبال کے مختلف گوشوں اور اقبال کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل مواد جمع کیا گیا ہے۔

اس نمبر کے آخری حصے میں ''گم شدہ دستاویزات کی بازیافت'' کے عنوان کے تحت ۷ نہایت اہم تحقیقی مضامین شامل ہیں۔ اس سلسلے میں ''اقبال بہ طور ممتحن''، ''اقبال کا ایک غیر مطبوعہ خط''، ''اقبال اور بہاولپور''، ''ایک تاریخ ساز خطبہ''، ''دروازہ منزل سے منزل پاکستان تک''، ''گمشدہ اوراقِ اقبال'' اور ''علامہ اقبال کے سفر کی روائیداد اور خطبات'' ایسے عناوین ہیں جن کی تفصیلات مضامین کی صورت میں پہلی بار منظرِ عام پر آئی ہیں۔ ''اقبال نمبر'' (شمارہ ۱۲۳) کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔خطوط	۲۔تاریخ ولادت	۳۔فکر و فن
۴۔اقبال کے حضور	۵۔مداح وممدوح	۶۔قیام وتعلق
۷۔رحلت (گمشدہ اوراق)		

اس نمبر کے حصہ اول یعنی ''خطوط'' کے ذیل میں اقبال کے غیر مطبوعہ خطوط پیش کیے گئے ہیں۔ یہ خطوط صلاح الدین محمود نے ''نقوش'' کو عطیہ کے طور پر دیے۔ دوسرے حصے ''تاریخ ولادت'' میں ڈاکٹر وحید قریشی اور ڈاکٹر اکبر حیدری کے مضامین شامل ہیں۔ ان مضامین میں اقبال کی تاریخ ولادت کا حتمی تعین کیا گیا ہے۔ جن کے مطابق اقبال کی ولادت ۱۸۷۳ء میں ہوئی۔ بقول ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی:

> ''یہ عین وہ زمانہ تھا جب سرکاری طور پر ۱۸۷۷ء کو علامہ کا سنِ پیدائش قرار دیا جاچکا تھا اور اسی حساب سے صد سالہ جشن ولادت منایا جارہا تھا۔ جن دنوں نقوش کی ''جلد دوم'' منظر عام پر آئی، انھی ایام میں (۲۔۸ دسمبر ۱۹۷۷ء) لاہور میں اقبال پر سب سے بڑی بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہورہی تھی۔ اس صورتِ حال میں مقالہ نگاروں کی جرأت مندی کے ساتھ ''نقوش'' کی جسارت آفرینی بھی لائق داد تھی۔ تاریخِ ولادت کے مسئلے پر یہ دونوں مضامین محاورے کی زبان میں پتھر پر لکیر ثابت ہوئے اور آج تک کسی سے ان کا کوئی جواب بن نہ پڑا۔ یہ بات ''نقوش'' کے لیے باعثِ افتخار واعزاز ہے۔''[۸۲]

تیسرے حصے ''فکر و فن'' کے ذیل میں ۳۵ مضامین شامل ہیں۔ ان میں بیشتر موضوعات بالکل نئے ہیں جن پر پہلے کسی نے شاذ و نادر ہی قلم اٹھایا ہوگا۔ لکھنے والوں میں مولانا امتیاز علی عرشی، رشید احمد صدیقی، محمد ہادی حسین، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، پروفیسر کرار حسین، سید نذیر نیازی، فیض احمد فیض، ڈاکٹر عالم خوندمیری، رفیع الدین ہاشمی، محمد طاہر فاروقی،

پروفیسر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر سید محمد عقیل، جگن ناتھ آزاد، پروفیسر محمد منور، محمد احمد خان، سید الطاف علی بریلوی، انور سدید، ڈاکٹر نجم الاسلام، پروفیسر عبدالقوی دسنوی، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر ظ۔انصاری، ڈاکٹر فرمان فتح پوری اور ڈاکٹر سلیم اختر کے نام شامل ہیں۔ چوتھے حصے ''اقبال کے حضور'' میں اقبال کے ساتھ صحبتوں اور یادوں کو زندہ کیا گیا ہے۔ پانچویں حصے ''مداح و ممدوح'' میں اقبال کے ساتھ ان کے عہد کے اکابرین کے تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چھٹے حصے ''قیام و تعلق'' میں اقبال نے جن شہروں اور مقامات میں قیام کیا اور اپنی زندگی کے انمول لمحات بسر کیے، ان کی داستان بیان کی گئی ہے۔ آخری حصے ''رحلتِ وگم شدہ اوراق'' میں اقبال کے اساتذہ میر حسن اور آرنلڈ کے انتقال کی منظر کشی کی گئی ہے۔ اس حصے کا آخری مضمون خود اقبال کی رحلت کے حوالے سے قلم بند کیا گیا ہے۔

''نقوش'' کا اقبال نمبر۲ شمارہ ۱۲۲، نیرنگ خیال کے اس تاریخی اقبال نمبر پر مشتمل ہے جو ۱۹۳۲ء میں شایع ہوا۔ یہ نمبر نایاب تھا اور نوادراتِ اقبالیات میں شمار ہوتا تھا۔ اس نمبر کے مصنفوں میں منشی محمد دین فوق، چراغ حسن حسرت، ملک راج آنند، قاضی عبدالغفار، عبدالرحمٰن بجنوری، محمد اسلم جیراجپوری، غلام احمد پرویز، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، ڈاکٹر نکلسن، راغب احسن ایم۔اے، حامد حسن قادری، سید نذیر نیازی جیسے نام نظر آتے ہیں۔ یہ تمام نام اقبالیات کے حوالے سے نامور ہوئے اور اقبالیاتی ادب میں وقیع اضافوں کا باعث بنے۔ محمد طفیل نے اس یادگار دستاویز کو نئے پیرہن سے آراستہ کر کے پیش کیا۔ اس نمبر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ''نیرنگِ خیال'' کے مختلف شماروں میں شایع شدہ مضامین اقبالیات ''اضافہ'' کے تحت جمع و مرتب کیے گئے۔ لکھنے والوں میں ایک سے ایک بڑھ کر نامور ادیب اور نقاد شامل ہیں۔ ان میں مولوی عبدالحق، خلیفہ عبدالحکیم، پطرس بخاری، دیانرائن نگم، ڈاکٹر تاثیر، الیگزنڈر بوسانی (اطالوی)، ڈاکٹر یوسف حسین خان، تمکین کاظمی کے نام آتے ہیں۔ ''نیرنگِ خیال'' کے متفرق شماروں سے مضامین کے اخذ و تلاش کے سلسلے میں محمد طفیل لکھتے ہیں:

> ''میرے لیے بڑا آسان تھا کہ میں اس نمبر میں اپنی طرف سے نئے مضامین شامل کر کے نمبر کو ''پھینٹ'' دیتا۔ مجھے ڈھونڈ و اور حکیم صاحب (حکیم یوسف حسن) کو ڈھونڈو کا مسئلہ پیدا کر دیتا، (جب کہ حکیم صاحب کی طرف سے اجازت بھی تھی بلکہ اصرار بھی) مگر دل نہ مانا۔ دل تو یہ چاہتا تھا کہ حکیم صاحب کی خدمت کا علم جتنا

اوپر اٹھ سکے۔ اٹھایا جائے۔ بس بیچ بیچ میں شیطان وسوسے ڈال دیتا تھا۔
بہرحال ہر قسم کے این و آں کے بعد، میں نے نیرنگِ خیال کی فائلیں اٹھائیں۔ گرد جھاڑی، انھیں چوما۔ ورق ورق دیکھا۔ وہ مضامین جو مجھے فائلوں میں ادھر ادھر بکھرے نظر آئے۔ انھیں بھی، اس نمبر کی زینت بنا ڈالا۔ اس اضافے میں بڑے مضمون نگار بھی نظر آئیں گے اور بڑے مضمون بھی!... یوں محمد طفیل مطمئن ہوگیا۔ ننھا ختم ہوگیا!''۸۳

نقوش کے اقبال نمبروں کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہوئے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

''نقوش کے دوسرے نمبروں کی طرح، اقبال نمبر بھی دستاویزی اہمیت کے حامل ہیں۔ بعض چیزیں بلاشبہ بنیادی مآخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس اعتبار سے اقبالیات پر تحقیق کرنے والوں کے لیے ان سے رجوع و استفادہ ناگزیر ہوگا۔ تنقیدی حصے کی اہمیت یہ ہے کہ پامال اور روایتی موضوعات کی بجائے فکر اقبال کے بعض نئے پہلو سامنے آتے ہیں۔ کسی مدیر کے لیے اقبال شناس حضرات کو اتنی بڑی تعداد میں جمع کر لینا آسان نہیں۔ یہ محمد طفیل کے حسن ادارت ہی سے ممکن ہوسکا۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جملہ دستاویزات و مضامین کو جس ہنر مندی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ شاید اس سے بہتر ترتیب ممکن نہ تھی۔''۸۴

اقبالیات کے حوالے سے محمد طفیل نے لکھا کہ:

''ہمارا کام ابھی ختم نہیں ہوا۔ ابھی ایک جلد اور پیش کریں گے۔ وہ جلد علامہ اقبال کی دستاویزات اور ان کے نوادرات سے متعلق ہوگی۔ انشاء اللہ وہ جلد بھی جلد ہی پیش کردی جائے گی۔ اطمینان بھی جبھی ہوگا۔''۸۵

لیکن افسوس کہ وہ کام مکمل نہ کر سکے۔

''نقوش'' کا ''پطرس نمبر''

''نقوش'' کا ''پطرس نمبر'' (شمارہ ۷۵۔۷۶) ستمبر ۱۹۵۹ء میں منظر عام پر آیا۔ پطرس بخاری کے فن اور شخصیت پر یہ ایک نہایت جامع اور مکمل دستاویز ہے جس میں ان کے شہرہ آفاق ''پطرس کے مضامین'' سمیت ان کی دیگر تخلیقات نظم و نثر بھی جمع کر دی گئیں ہیں۔ اس نمبر کی خاص بات محمد طفیل کا لکھا ہوا ''طلوع'' ہے جو ''نقوش'' کے انیس صفحات کو محیط ہے

اور ''طلوع'' کے ذیل میں یہ محمد طفیل کی طویل ترین تحریر ہے۔ ''طلوع'' میں پطرس بخاری کے محمد طفیل کے نام لکھے ہوئے تین نایاب خطوط بھی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ ''پطرس نمبر'' کی اشاعت کے سلسلے میں انھوں نے پطرس کے دوستوں اور بڑے بڑے ادیبوں کے نام جو خط لکھے ان کے جوابات بھی اس میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ ان اکابرین میں سید امتیاز علی تاج، سر محمد ظفر اللہ خان، آغا اشرف، ن۔م۔راشد، غلام عباس، قرۃ العین حیدر، ہاشم رضا، مولانا غلام رسول مہر، عصمت چغتائی، رشید احمد صدیقی، اثر لکھنوی، شوکت تھانوی، کنہیا لال کپور، ڈاکٹر محمد احسن فاروقی، ڈاکٹر وزیر آغا، تمکین کاظمی، عبدالرحمٰن چغتائی کے نام شامل ہیں۔ ''پطرس نمبر'' کے حوالے سے محمد طفیل کی یہ سطور ملاحظہ ہوں:

> ''پطرس سے میرا کوئی یارانہ نہ تھا۔ لمبی خط و کتابت نہ تھی۔ رتبہ ایک نہ تھا، ایک عالم فاضل، دوسرا جاہل مطلق، ایک بین الاقوامی شہرت کا مالک، ایک کنوئیں کا مینڈک، کوئی خوبی، کوئی خرابی، میری ایسی نہ تھی جو پطرس کے دل میں جگہ بناتی۔
>
> خیال اُڈتے رہے۔ کئی پلٹے کھائے۔ پطرس نے کیوں خط لکھنے میں پہل کی تھی۔ کیوں میری باتیں مانی تھیں۔ یہ جتنا سوچتا، اتنی ہی پطرس کی عظمت میرے دل میں بڑھتی۔
>
> سنو میاں! لوگوں کی پروا نہ کرو۔ پطرس نمبر ضرور چھاپو۔ یوں ڈرتے رہے تو زندگی بھر سلیقے سے کام نہ کر سکو گے۔
>
> خیالات میں تصادم رہا۔ کبھی یوں کبھی ڑوں۔
>
> بالآخر جی کڑا کر کے، کچھ نیم دلی کے ساتھ، میں نے پطرس کے دوستوں کی فہرست بنائی، خط و کتابت کی، اس سلسلے میں میری جتنی مراسلت ہوئی۔ وہ سب یہاں درج کرتا ہوں۔ سوائے ان باتوں کے جو ذاتی ہیں اور اخفاء کی ہیں۔ میرے خطوط کا مضمون یہ تھا۔ پطرس پر لکھیے اور ہمیں بتائیے کہ وہ بہ حیثیتِ انسان کیسے تھے اور بہ حیثیتِ ادیب کیا مقام رکھتے تھے۔
>
> بڑے بڑے ادیبوں کے، میرے نام ہزاروں خط آئے ہوں گے۔ جن میں سے کچھ ضایع ہو گئے۔ کچھ کو دیمک چاٹ گئی۔ کچھ ہیں۔ مگر مجھے ان کی اشاعت کا کبھی خیال نہ آیا۔ ان خطوط کو اس لیے پیش کر رہا ہوں کہ ان سے پطرس کی شخصیت کچھ اور نکھرے گی۔ اور پھر معلومات!''۸۶

''پطرس نمبر'' کی فہرست پر نظر ڈالیں تو ''شخصیت'' کے عنوان کے ذیل میں ''طلوع''

سمیت ۲۳ مضامین ہیں جن میں پطرس کی متنوع شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ لکھنے والوں میں سید ذوالفقار علی بخاری، سر ظفر اللہ خان، بی اے ہاشمی، مولانا عبدالمجید سالک، رشید احمد صدیقی، فیض احمد فیض، عصمت چغتائی، غلام رسول مہر، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، شوکت تھانوی، کنہیالال کپور، ڈاکٹر حمید الدین، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، عشرت رحمانی، حکیم یوسف حسن، آغا بابر اور خود محمد طفیل کے نام شامل ہیں۔ پطرس بخاری کے فن کے حوالے سے ڈاکٹر احسن فاروقی، تمکین کاظمی، ڈاکٹر وزیر آغا اور اثر لکھنوی کے مضامین شامل ہیں جن میں پطرس کی مزاح نگاری کی مختلف جہتوں کو نمایاں کیا گیا ہے۔

''تخلیقاتِ پطرس'' کے عنوان کے تحت پطرس کی سات نظمیں، سات افسانے، ناولٹ، ڈرامے، چار مزاحیہ مضامین، پانچ فنی مضامین، پانچ تنقیدی مضامین، نیا زمندانِ لاہور کے سلسلے میں تین تحریریں، ادب لطیف کی ذیل میں چھ نثر پارے، چھ کتابوں کے دیباچے، دو سفر نامے، بچوں اور عورتوں کے لیے پانچ منشورات، اور متعدد خطوط۔ (جو عبدالمجید سالک، غلام رسول مہر، عبدالرحمٰن چغتائی، غلام مصطفیٰ تبسم، سید ہاشم رضا، بیگم آمنہ مجید ملک، بیگم فیض احمد فیض، منیزہ فیض، امتیاز علی تاج، ہاجرہ مسرور، احمد ندیم قاسمی، حکیم یوسف حسن، حکیم الرحمٰن، حامد علی خان اور عبدالقدیر رشک کے نام تحریر کیے گئے ہیں) شامل ہیں۔ ان کے علاوہ پطرس بخاری کی دو تقریریں بھی اس کی زینت ہیں۔ آخر میں خلیفہ عبدالحکیم، حفیظ جالندھری، خواجہ منظور حسین اور عابد علی عابد کے پیغامات شامل کیے گئے ہیں۔

نقوش کے ''پطرس نمبر'' کے مندرجات کے بارے میں محمد طفیل لکھتے ہیں کہ:

> ''اس پرچے کی ابتدا پطرس پر شخصی نوعیت کے مضامین سے ہوتی ہے۔ ان میں سے ہر مضمون میں پطرس سے ملاقات ہوتی ہے۔ مرحوم کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں...اور یہ بھی کہ مرحوم احباب سے ہم کلام ہیں اور احباب مرحوم سے۔
>
> اس کے بعد پطرس کے فن پر چار ہلکے پھلکے مضامین ہیں۔ مرحوم کے فنی محاسن پر یہ مضامین کار آمد ہیں اور اس نمبر میں ان کی اسی حد تک ضرورت تھی۔ مرحوم کے فن پاروں کی ابتدا منظوم تخلیقات سے ہوئی۔ مرحوم نے اُردو میں بھی شعر کہے، فارسی میں بھی۔ کہا بہت کچھ مگر شاعری کو کوئی خاص اہمیت نہ دی۔ منظومات کے بعد وہ تمام مضامین پیش خدمت ہیں جو مرحوم کا زندگی بھر کا سرمایہ ہیں۔ مرحوم کے تنقیدی اور فنی مضامین بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ خواہ وہ

دیباچوں کی صورت میں ہوں۔ خواہ مضامین کی صورت میں۔ نتیجہ خیز بات کرنے میں، فن کی باریکیوں اور اس کی تہہ تک پہنچنے میں، جیسی نظر ان کی تھی، کم کسی کو نصیب ہوئی۔ ڈرامہ سے بھی مرحوم کا چولی دامن کا ساتھ رہا۔ اچھے ڈراموں کے ترجمے کیے۔ ڈرامے ڈائریکٹ کیے۔ ڈراموں میں کام کیا اور خوب خوب داد حاصل کی۔ چند ڈرامے اس نمبر کی بھی زینت ہیں۔

مرحوم اعلیٰ پائے کے مقرر بھی تھے۔ یہاں بخاری کی دو ایک تقریریں پیش کی جارہی ہیں تاکہ ان کی لسانی خوبیوں کا بھی اندازہ ہو سکے۔

اس نمبر میں مرحوم کی اکلوتی مگر معرکتہ الآرا کتاب ''پطرس کے مضامین'' بھی شامل کر دی گئی ہے۔ بہ ظاہر اس کا شامل کرنا عجیب سا لگتا ہے مگر ہم نے اس نمبر کو مرحوم کے تمام تر کارناموں سے مزین کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس لیے اس کی اشاعت بھی ناگزیر تھی۔

پطرس کے خطوط، اتنی بڑی تعداد میں پہلی مرتبہ منظر عام پر آئے ہیں۔ یہ خطوط کیسے ہیں؟ ادب میں کیا مقام رکھیں گے؟ میری ناقص رائے میں اس کا فیصلہ بھی اس سے مختلف نہ ہوگا جو مزاح نگاروں کے دربار میں ''پطرس کے مضامین'' کو حاصل ہے۔ یہ خوش گفتاری کے تمام آداب کے ساتھ بولتے ہیں۔ اپنا بنالیتے ہیں، پڑھیے گا تو ڈوب جایئے گا۔ سرشاری کی کیفیت پایئے گا۔ ۸۷

''نقوش'' کا ''منٹو نمبر''

''نقوش'' کا ''منٹو نمبر'' (شمارہ ۴۹۔۵۰) ۱۹۵۵ء میں منظر عام پر آیا۔ اس نمبر کے ''طلوع'' میں محمد طفیل نے بڑی پتے کی بات کہی ہے:

> ''اگر چہ واقعہ ایک برس پہلے کا ہے، لیکن میں آج بھی یہ نمبر منٹو کی زندگی ہی میں شایع کر رہا ہوں۔ اس لیے کہ منٹو کسی اور کے خیال میں مَرا ہو، میرے نزدیک نہیں مَرا۔'' ۸۸

منٹو کے بارے میں محمد طفیل کا یہی یقین اس نمبر کا جواز ہے۔ اس نمبر کے مندرجات کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اول: منٹو کی غیر مطبوعہ کہانیاں۔ دوم: منٹو کی منتخب تخلیقات۔ سوم: منٹو کا فن۔ چہارم: منٹو کی شخصیت۔ پہلے حصے میں منٹو کی ۲۰ غیر مطبوعہ کہانیاں شامل ہیں۔ جن کی ترتیب یہ ہے۔ بائی بائی، مائی جنتے، جان محمد، بارش، انشائیے کے راز، آمنہ، ملاوٹ،

بس اسٹینڈ، نعیمہ، بدتمیزی، قادر اقصائی، خودکشی، پشاور سے لاہور تک، بجلی پہلوان، ایک زاہدہ ایک فاحشہ، شیدا، بڈھا کھوسٹ، انارکلی، کمیشن۔

دوسرے حصے میں منٹو کی منتخب تخلیقات شامل ہیں۔ محمد طفیل کا کہنا ہے کہ منٹو نے اپنی ان تخلیقات کا انتخاب خود کیا تھا۔ ان تخلیقات میں ہتک، موذیل، ممی، بابو گوپی ناتھ، کالی شلوار، ٹوبہ ٹیک سنگھ، اس منجدھار میں، شامل ہیں۔ ان کے ساتھ نیا قانون، شہید ساز اور سیاہ حاشیے کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ تاہم یہ کہانیاں محمد طفیل کا انتخاب ہیں۔ تیسرے حصے میں منٹو کے فن پر بحث کی گئی ہے۔ نامور ناقدین ممتاز شیریں، وقار عظیم، محمد حسن عسکری، عابد علی عابد، ابواللیث صدیقی، عبادت بریلوی اور ممتاز حسین نے بڑی گہرائی سے منٹو کے فن کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔

چوتھا حصہ منٹو کی شخصیت کے لیے مخصوص ہے جس میں عصمت چغتائی، اوپندر ناتھ اشک، احمد ندیم قاسمی، ہاجرہ مسرور، ابوسعید قریشی، حامد جلال، غلام عباس اور محمد طفیل نے منٹو کے شخصی زاویے اجاگر کیے ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے خیال میں:

> ''منٹو نمبر دراصل ایک طرح کا افسانہ نمبر ہی ہے کہ منٹو کی شخصیت اور فن کی صورت میں اُردو افسانہ ایک خاص سمت میں تخلیقی جست لگاتا نظر آتا ہے۔ منٹو سے پہلے افسانہ کہاں تھا اور انتقال کے وقت اس نے افسانہ کو کس مقام پر چھوڑا، اس کی بطورِ خاص صراحت کی ضرورت نہ ہونی چاہیے کہ ایک لحاظ سے ہم خود بھی افسانہ کی اس تخلیقی جست میں شامل ہیں۔
>
> محمد طفیل کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے نقوش کے منٹو نمبر کی صورت میں اس تخلیقی جست کی تصویر محفوظ کرلی ہے۔ اسی میں نقوش کی اہمیت مضمر ہے اور اسی میں محمد نقوش کی انفرادیت۔''۸۹

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اب تک منٹو پر جتنی بھی کتابیں شایع ہوئی ہیں اُن میں نقوش کے ''منٹو نمبر'' کو ایک اہم ماخذ کا درجہ حاصل ہے۔ یہاں تک کہ منٹو کے افسانوں پر لکھی جانے والی تنقید میں بھی اس نمبر کے خصوصی مضامین سے استفادہ کیا گیا ہے۔

''نقوش'' کا ''شوکت (تھانوی) نمبر''

''نقوش'' کا ''شوکت (تھانوی) نمبر'' (شمارہ نمبر ۹۹) ستمبر ۱۹۶۳ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس نمبر کے ''طلوع'' میں محمد طفیل نے شوکت تھانوی کے انتقال پر اپنے غم انگیز تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

''لیجیے، وہ صاحب بھی مر گئے، جو مجسم زندگی تھے۔

شوکت صاحب کی شخصیت میں، کچھ ایسی موہنی تھی کہ انھیں دیکھ کر اُپرانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ جی چاہتا تھا کہ زندگی کی ساعتیں طویل تر ہو جائیں۔

گھر کی کوئی چیز ٹوٹ جاتی تو اس کا بھی ہفتوں قلق رہتا تھا۔ پھر یہ تو شوکت تھانوی تھے۔ ایک ایسی بھرپور ہستی، جسے میں اس دکھی دنیا کے لیے خدا کی طرف سے عطیہ سمجھتا رہا۔ انھوں نے ہزاروں کو زندگی سے پیار کرنے کا درس دیا۔ مگر جب ان سے پیار کرنے والوں کی تعداد بڑھی تو یہ چپکے سے موت کی انگلی پکڑے دور نکل گئے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ شوکت صاحب صرف میرے دوست تھے۔ نہ ہی یہ دعویٰ کروں گا کہ جتنا میں جانتا تھا اتنا کوئی اور واقف نہ تھا۔ اتنی بے ''تعلقی'' پر بھی میرا ان سے جتنا بھی ربط ضبط رہا، اس کی بنا پر، مجھ سے اداس ہونے کا حق کوئی بھی نہیں چھین سکتا۔ بیماری کے دنوں میں، شوکت صاحب اپنے دوستوں کو دیکھ کر رو دیا کرتے تھے۔ زندگی بھر ہنسنے ہنسانے والا انسان یوں آنسو بہائے اچھا نہ لگتا تھا۔

مگر انسانی زندگی پر شوکت صاحب کا یہ خاموش طنز بھی بھولنے والی بات نہیں۔

ہم سب کتنے عاجز ہیں کہ زندگی رونے کی آواز سے شروع ہوکر، درد کی آواز پر ختم ہوجاتی ہے۔ شوکت صاحب کی عمر ۵۹ برس کی تھی۔ مگر عمروں کو برسوں کے اعتبار سے ناپنا نہیں چاہیے۔ عمر ان کی زیادہ ہوتی ہے جو کام زیادہ کرتے ہیں۔ آپ ان لوگوں کے بارے میں سوچیں، جو دفن ہونے سے پہلے مرجاتے ہیں اور ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو دفن ہونے کے بعد بھی نہیں مرتے۔''[۹۰]

''نقوش'' کے ''شوکت تھانوی نمبر'' کے مندرجات کو سات حصوں میں ترتیب دیا گیا ہے:

۱۔ ہم عصر کی نظر میں	۲۔ منتخب مضامین
۳۔ غیر مطبوعہ مضامین اور ڈرامے	۴۔ بہ حیثیت مدیر
۵۔ منظومات	۶۔ شخصیت
۷۔ خطوط	

پہلے حصے میں شوکت تھانوی کو ان کے ہم عصروں کی نظر سے دکھایا گیا ہے۔ جن ہم عصروں کے تاثرات پیش کیے گئے ان میں ڈاکٹر اقبال، فرحت اللہ بیگ، خواجہ حسن نظامی، مرزا عظیم بیگ چغتائی، رشید احمد صدیقی، نیاز فتح پوری، جعفر علی خاں اثر، مولانا عبدالماجد دریابادی، سید وقار عظیم اور احمد جمال پاشا کے نام شامل ہیں۔

دوسرے حصے میں شوکت تھانوی کے منتخب مضامین پیش کیے گئے ہیں۔ ان مضامین کی تعداد بارہ ہے۔ تیسرے حصے میں شوکت تھانوی کے غیر مطبوعہ مضامین اور ڈرامے دیے گئے ہیں جن کی تعداد سولہ ہے۔ چوتھے حصے میں شوکت تھانوی کو ایک مدیر کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ سرپنچ اور روزنامہ طوفان کے مدیر کی حیثیت سے ان کی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پانچویں حصے میں ''منظومات'' کے ذیل میں شوکت تھانوی کی ۲۵ غیر مطبوعہ غزلیں، ۵ مزاحیہ نظمیں اور ایک مرثیہ بعنوان ''شہادت عظمیٰ'' شایع کیے گئے ہیں۔

چھٹے حصے یعنی شخصیت کے باب کو مزید تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ حصہ الف میں شوکت تھانوی کی شخصیت پر نامور اہل قلم کی تحریریں پیش کی گئی ہیں۔ ان میں چودھری خلیق الزمان، عبدالماجد دریا بادی، قرۃ العین حیدر، قدرت اللہ شہاب، حفیظ جالندھری، فیض احمد فیض، کنہیالال کپور، سید ہاشم رضا، شاہد احمد دہلوی، محمد شعیب، حجاب امتیاز علی، محمد عبدالروف عباسی، ماہر القادری، امین سلونوی، نسیم انہونوی اور حکیم یوسف حسن جیسے نام شامل ہیں جنھوں نے شوکت تھانوی کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی نقاب کشائی کی ہے۔

حصہ ب میں شوکت تھانوی کے اہل خانہ، عزیزوں اور رشتہ داروں کے تاثرات شامل ہیں۔ جبکہ حصہ ج میں امتیاز علی تاج، فضل احمد کریم فضلی، عشرت رحمانی، نادم سیتاپوری، نسیم ممتاز، ڈاکٹر میمونہ انصاری، بیگم خورشید (حفیظ جالندھری) اور اختر جہاں نے شخصی حوالے سے اپنی یادوں کو تازہ کیا ہے۔

ساتویں اور آخری حصے میں سعیدہ خاتون اور زہرا شوکت کے نام شوکت تھانوی کے خطوط شایع کیے گئے ہیں۔ ''نقوش'' کے اس نمبر میں شوکت تھانوی کے فن اور شخصیت کی تمام ممکنہ جہتیں سمٹ کر آ گئی ہیں۔ شوکت تھانوی کی جملہ تخلیقات کو بھی بڑی محنت سے جمع کر کے اس نمبر میں شامل کیا گیا ہے۔ شوکت تھانوی کے فن کو جاننے اور سمجھنے کے لیے ''نقوش'' کا یہ نمبر ہی واحد حوالہ ہے جس کی مدد سے یونیورسٹیوں کے طالب علموں نے تحقیقی مقالہ جات لکھے۔ بعد میں شوکت تھانوی کو اس درجے پر اتنا قابل اعتنا نہیں سمجھا گیا، جتنا ''نقوش'' نے سمجھا۔ چنانچہ شاید ہی کوئی رسالہ ایسا ہو جس نے شوکت تھانوی پر کوئی نمبر شایع کیا ہو یا ان کے فن کے لیے کوئی گوشہ مخصوص کیا ہو۔ نمبروں کی اشاعت کے سلسلے میں یہ حوصلہ اور قوت فیصلہ محمد طفیل ہی کو ودیعت ہوئی تھی کہ وہ سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر اہل فن کی قدر و قیمت کو جانچتے تھے اور کثیر سرمایہ صرف کر کے ان کے جہان تخلیق سے باذوق قارئین کو روشناس کراتے تھے۔ اس

نوع کے نمبروں کی اشاعت میں مالی منفعت کے امکانات تقریباً معدوم نظر آتے ہیں۔ لیکن محمد طفیل جہاں ادب کی خدمت کو اپنا شعار بناتے ہیں وہاں حق دوستی بھی پوری طرح نبھاتے ہیں۔نقوش کا ''شوکت تھانوی نمبر'' حق دوستی ادا کرنے کی ایک نہایت عمدہ مثال ہے۔

''نقوش'' کے ''رسول ﷺ نمبر''

محمد طفیل کی زندگی کا سب سے اہم کارنامہ ''نقوش'' کے ''رسول ﷺ نمبر'' کی اشاعت ہے۔ جسے تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ یہ محمد طفیل کا حاصلِ حیات ہے جس پر وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک فخر کرتے رہے اور اسے اپنی اخروی نجات کا ذریعہ قرار دیتے رہے۔''رسول ﷺ نمبر'' کی جلد اول کے آغاز میں انھوں نے لکھا:

> ''مجھ سے ایک دن، رسول ﷺ نمبر کے خوشنویس نے کہا، میں نے اس نمبر کی کتابت ۱۹۷۲ء میں شروع کی تھی اور آج ۱۹۸۲ء ہے کہ سیرت نمبر ہی لکھ رہا ہوں۔
> اس نمبر کی اشاعت میرے لیے وہ سعادت ہے کہ جس کی تڑپ ایک عرصہ سے میرے دل میں تھی۔ میں نے اس نمبر کے لیے بڑی محنت کی اور محنت سے زیادہ اللہ کی بارگاہ میں دعائیں مانگیں۔ جذبہ اول کا ثمر محدود ہوسکتا ہے مگر جذبۂ دوم کا ثمر لامحدود تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج میں کسی قابل ہوا ہوں...
> میں نے آج تک جتنے نمبر پیش کیے، وہ سب فخریہ انداز میں پیش کیے۔مگر یہ نمبر انتہائی عاجزی کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔ یہ معاملات دل کے ہیں! کبھی اس طرح خوش، کبھی اس طرح خوش!''۹۱

یوں لگتا ہے، رسول ﷺ نمبر کی ترتیب وتدوین کے دوران محمد طفیل ایک خاص جذب کی کیفیت میں رہے۔ یہ معاملہ ہی ایسا ہے۔ رسالت مآب ﷺ سے عقیدت ومحبت، اہل ایمان ہی کو نہیں، ہر انسان کو اس خاک سے اوپر اٹھا دیتی ہے جہاں سرشاری کے جذبات اسے علائق دنیا سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔ رسول ﷺ نمبر کی ہر جلد کے ابتدائی صفحات میں ''طلوع'' اور ''اس شمارے میں'' کا منظر نامہ محمد طفیل کی طویل ادبی جدوجہد کے مقابلے میں بالکل بدلا ہوا نظر آتا ہے۔''رسول ﷺ نمبر'' کا جائزہ لینے سے پہلے ان بدلی ہوئی کیفیتوں کی ایک جھلک دیکھنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس کی روشنی میں ''رسول ﷺ نمبر'' کے صفحات پر بکھرے ہوئے مقدس لفظوں کا ادراک بہتر انداز میں ہوسکتا ہے۔محمد طفیل لکھتے ہیں:

''میں نے متعدد دن اور راتیں اس انتظار میں گزاریں کہ وہ لمحۂ عالیہ آئے کہ میں اپنے تئیں سیرتِ سرورِ کونین ﷺ پیش کرسکوں۔ وہ لمحہ آیا میرے جذبات واحساسات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

خدا نے مجھے لکھنے کی صلاحیت دی ہے۔ ہزاروں صفحات کالے کیے ہیں۔ مگر آج لکھنے بیٹھا ہوں تو قلم رک رہا ہے۔ یاالٰہی! ماجرا؟

ذہن نے بات سجھائی، جس کی تعریف خدائے ذوالجلال نے کی ہو، ان کے بارے میں تیرا قلم کیا لکھے گا؟ میں سوچ میں پڑ گیا۔

مقابلہ عشق اور قلم کے درمیان آن ٹھہرا۔ دونوں امتحان سخت اور میں ناتوان، حواس بے ٹھکانہ ہونے لگے۔

قدرت نے سنبھلا تو ہاتف نے کہا: ''حدِ ادب کا مقام ہے۔''

''ہوں!''

''حدِ ادب کا مقام۔''

یاالٰہی! میں کیا کروں؟ حضور ﷺ! میں کیا کروں؟''

میری التجا پر دوبارہ غیبی آواز آئی: ''آج تک کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے رسول خدا ﷺ کے بارے میں لکھا ہو اور ان کا حق ادا کردیا ہو۔''

میں ایک بار پھر سناٹے میں آ گیا۔ جھرجھری لی تو میں کہہ رہا تھا۔ ''میں حضور ﷺ کا امتی ہوں۔ میں اس کام کے لیے خود حضور ﷺ سے اجازت لے کر آیا ہوں۔''

اس پر ہاتف نے کہا: ''تو پھر لکھ!''

جسم تھر تھر کانپنے لگا۔

تب میں نے گھر والوں سے کہا: ''مجھے چادر اڑھادو کہ یہ سنت میرے رسول ﷺ کی ہے۔'' ۹۲

''رسول ﷺ نمبر'' جلد سوم کے ''طلوع'' میں لکھتے ہیں:

''...خواہش صرف اتنی تھی کہ اس جگہ آنکھیں بچھاؤں، جہاں کہ رسول اکرم ﷺ نے قدم رکھا ہو۔ اس جگہ سجدہ کروں کہ جہاں حضور ﷺ نے سجدہ کیا ہو۔

بالآخر میں نے روضے کے سامنے بیٹھ کر، دعا کے لیے ہاتھ اٹھادیے۔ دل پر جو کچھ اترا، وہی حاصلِ زندگی، مجھے کچھ اور نہیں چاہیے!'' ۹۳

''رسول ﷺ نمبر'' جلد چہارم کے ''طلوع'' میں لکھتے ہیں:

''۱۹۶۴ء میں چھپنے والا نمبر دنیاوی شخصیتوں کے بارے میں تھا۔ ۱۹۸۲ء میں چھپنے

والا یہ نمبر صرف ایک ہستی کے بارے میں ہے جو دنیا کی تمام موجود اور مرحوم شخصیتوں سے اہم ہے، افضل ہے، جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ جس سے دین اور دنیا کا ٹانکا جڑا ہوا ہے۔

آج میری وہ آرزو پوری ہوئی، جس کے لیے برسوں سے، بے کل رہا۔ آج میں کہہ سکتا ہوں کہ حضور ﷺ سے میری بھی کوئی نسبت ہے۔ اس اعزاز پر خدا کی بارگاہ میں جتنے بھی سجدے کروں وہ کم ہوں گے۔

کیوں کہ آج میں بھی کسی شمار قطار میں ہوں۔" ۹۴

جلد پنجم میں "اس شمارے میں" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"میں بیمار رہنے لگا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے کچھ جلدی ہے۔ ڈرتا ہوں خواب کہیں ادھورا نہ رہ جائے۔ یہ سارا قصہ خواب ہی کا تو ہے۔ نہ اپنی کیے پر یقین، نہ ہونے والے کام پر بھروسا، بہر حال دربارِ رسالت ﷺ میں یہ میرا تیرھواں سال ہے۔ خوشی ہے تو اتنی! جب ابتدائی چار جلدیں چھپی تھیں تو دوست سوال کرتے تھے "باقی جلدوں میں کیا چھاپو گے؟ سب کچھ تو ان جلدوں میں آ گیا!"

انھیں اپنے سوال کا جواب موجودہ جلدوں میں مل جائے گا۔ یہ موضوع تو سمندروں جیسی گہرائی اور آسمانوں جیسی وسعت رکھتا ہے۔ ایسے میں، میں بھاگتے وقت کو جتنا روک سکوں گا اتنا روکوں گا تا کہ حضوری میں زیادہ سے زیادہ وقت گزار سکوں۔" ۹۵

جلد نہم میں "اس شمارے میں" کے زیرِ عنوان رقم طراز ہیں:

"میرے ایک دوست نے کہا تھا: سیرت پر خدمت گزاری، ہر ایک کو راس نہیں آتی۔ شبلی نعمانی نے کام شروع کیا۔ وہ مر گئے۔ قاضی سلیمان منصور پوری کا، مفصل کتاب لکھنے کا ارادہ تھا۔ وہ مر گئے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا بہ اطمینان لکھنے کا ارادہ تھا۔ وہ مر گئے۔ لہٰذا تم بچو!

میرا جواب تھا: زہے نصیب!" ۹۶

جلد دہم میں "عجز و تشکر" کے عنوان سے لکھتے ہیں:

"... پہلے میں ادب کی چوکھٹ پر کھڑا تھا۔ اب حضور ﷺ کی بارگاہ میں ہوں...

... دعویٰ کرنے والے دعویٰ کرتے ہیں۔ میرا کوئی دعویٰ نہیں، میں تو صرف عاشقانِ رسول ﷺ کی صف میں کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔ وہ بھی سب سے آخر میں۔" ۹۷

جلد یاز دہم کے "طلوع" میں لکھتے ہیں:

"میں غریب انسان ہوں۔ ہر طرح سے غریب، طبیعت کے اعتبار سے غریب، عمل

کے اعتبار سے غریب، علم کے اعتبار سے غریب، مگر میں نے منزل دور کی اور سب سے اونچی منتخب کی۔ اپنا دامن نہ دیکھا۔ جھولی پھیلا دی۔

دور کی اس لیے کہ سیرتِ رسول ﷺ کے ضابطے کڑے تھے۔ نہ بے احتیاطی کو دخل، نہ لاپروائی کی گنجائش، حرف حرف تقدس آمیز تاثر کا طالب، اونچی اس اعتبار سے کہ دنیا نے رسول ﷺ سے بڑا آدمی پیدا نہ کیا۔ یہ اللہ کی ایک کتاب میں نہیں لکھا ساری کتابوں میں لکھا موجود ہے۔

ادھر اتنا بڑا امتحان، ادھر میں اور میری نارسائیاں!

میں نے سوچا کہ اس مہم میں اگر ساری دنیا کے لوگوں کو شامل نہ کیا تو بات کچھ بھی نہیں بنے گی، میرے کام اور اس ہستی میں بڑا فاصلہ رہ جائے گا۔

کوئی لاکھ جتن کرے فاصلہ تو باقی رہے گا ہی۔ قیامت تک باقی رہے گا۔ دنیا کے سارے دانشور، سارے اسکالر فاصلے کو پاٹ نہ سکیں گے۔ پھر بھی اثاثہ قابل ذکر تو ہونا چاہیے۔

اس دھن میں اُردو، فارسی، عربی اور انگریزی کے سیرتی ادب سے ان نمبروں کو سجا ڈالا۔ پھر بھی کسر ایک آنچ کی نہیں، ہزار آنچ کی رہ گئی۔ شاید کروڑوں، اربوں آنچوں کی! کیا کروں؟ بڑی بے بسی ہے۔

غرض دنیا کے جتنے خزانے تھے وہ حاضر کر دیے۔ پھر بھی سیرت کا کوئی ایک گوشہ بھی تو پوری طرح منور نہ ہوا۔ اطمینان صرف اتنا ہے کہ جتنا کچھ یہ ہے اتنا کچھ اس سے پہلے موجود نہ تھا۔

آرزوئیں بہت بے قابو ہوتی ہیں۔ یوسفؑ کی خریداری کو ایک بڑھیا بھی تو نکلی تھی، وہ یوسفؑ کو خرید تو نہ سکی، مگر ارمانوں کو سجاوٹ دے گئی؟

مجھے راستہ دکھا گئی۔"۹۸

نقوش کے "رسول ﷺ نمبر" کی پہلی اور دوسری جلد دسمبر ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی۔ تیسری اور چوتھی جلد جنوری ۱۹۸۳ء میں منظر عام پر آئی۔ پانچویں اور چھٹی جلد دسمبر ۱۹۸۳ء میں طبع ہوئی۔ ساتویں، آٹھویں، نویں اور دسویں جلد جنوری ۱۹۸۴ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں جلد جنوری ۱۹۸۵ء میں طبع ہو کر نظر نواز ہوئی۔ گویا سیرت رسول ﷺ کا وہ کام، جس کا آغاز بقول محمد طفیل ۱۹۷۲ء میں ہوا تھا جنوری ۱۹۸۵ء میں کل تیرہ برس کی مدت میں اپنے اختتام کو پہنچا۔ محمد طفیل "رسول ﷺ نمبر" کی مزید جلدیں پیش کرنے کا بھی ارادہ رکھتے تھے۔ جیسا کہ مالک رام نے لکھا کہ:

''انھوں نے اپنی عمر کے آخری حصے میں ''نقوش'' کا ''رسول ﷺ نمبر'' شایع کر کے دین و دنیا کی جو سعادت سمیٹی، وہ انھیں کا حصہ تھی۔ اس کے تیرہ حصے شایع ہوئے ہیں۔ ان کا ارادہ پندرہ حصے شایع کرنے کا تھا۔ یقیناً بقیہ جلدوں کا مواد بھی جمع کر رہے ہوں گے یا شاید کر لیا ہو اور انھیں بعد کو منظرِ عام پر لانا چاہتے ہوں۔''۹۹

تاہم محمد طفیل نے اس مقدس کام کو اپنی زندگی بھر کا سلسلہ قرار دے لیا تھا۔ ان کے آئندہ منصوبوں میں ''قرآن نمبر'' کے ساتھ ان تمام نمبروں کی نئے سرے سے ترتیب و تدوین تھا:

''قدرت نے مہلت دی تو ان تمام نمبروں کی از سرِ نو ترتیب پر غور ہوگا۔ پھر اہل الرائے حضرات کے مشورے سے ضروری ترمیم و اضافہ بھی کیا جائے گا۔ یہ ابتدائی کام ہے جس پر مسلسل غور و فکر ہوتا رہے گا، نوک پلک درست ہوتی رہے گی اور یہ سلسلہ زندگی بھر رہے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔''۱۰۰

لیکن کسے معلوم تھا کہ قدرت نے ان سے جو کام لینا تھا وہ لے لیا اور باقی کام آئندہ آنے والوں کے مقدر میں رکھ چھوڑا۔

''رسول ﷺ نمبر'' کی تیرہ جلدوں کا جائزہ:

محمد طفیل نے ''رسول ﷺ نمبر'' کی ترتیب و تدوین کا کام جس خاص مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا۔ اس میں ان کی یہ خواہش بھی شامل رہی کہ سیرت پر ایسا کام کر جاؤں جو پہلے کسی نے نہ کیا ہو۔ وہ ہر کام اسی فلسفے کے تحت سرانجام دیتے رہے ہیں کہ پہلے سے بہتر کر سکتے ہو تو اس کا فائدہ ہوگا ورنہ آدمی سعیِ لا حاصل میں کیوں پڑے۔ سیرت کا موضوع نازک بھی تھا اور مقدس بھی۔ چنانچہ انھوں نے اپنی ساری صلاحیتیں اس پر صرف کیں اور وقت اور سرمائے کی پروا کیے بغیر اپنا سب کچھ اس کام کے لیے وقف کر دیا۔

''رسول ﷺ نمبر'' کی ترتیب و تدوین کے حوالے سے انھوں نے آج کے ذہن اور اس میں پیدا ہونے والے سوالات کو مدنظر رکھا۔ ان کے پیش نظر یہ بات تھی کہ آج کے معاشرے کے مسائل تیزی سے بدل رہے ہیں، اخلاقیات کے معیار تبدیل ہو رہے ہیں۔ معاشرتی ڈھانچہ شکست و ریخت کا شکار ہے۔ سیرت نبی ﷺ پر پہلے سے موجود کتابوں کی افادیت اپنی جگہ پر۔ لیکن جدید ذہن کے شکوک و شبہات کے ازالے اور بیک وقت تیزی سے سمٹتی اور پھیلتی

ہوئی دنیا کے تقاضوں کے تحت سیرت رسول ﷺ کے ان زاویوں کو نمایاں کرنے کی ضرورت تھی جن سے آج کے ذہن کی تشفی ہو سکے اور جدید تقاضوں کو پورا کرنے میں مدد مل سکے۔

رسول ﷺ نمبر کے سلسلے میں ان کا خیال تھا کہ وہ ایک عام سی ڈگر پر ایک ضخیم دستاویز تیار کر لیں گے۔ عنوانات کا تنوع اور مسائل کے اعتبار سے مضامین کی تقسیم ان کے ذہن میں نہیں تھی لیکن بعد میں جو نیا خاکہ ان کے ذہن میں آیا اس میں مسائل کو ترجیح دی گئی۔ ارض مقدس کی زیارت کے بعد انھوں نے اہم کام یہ کیا کہ ہر عنوانات کے تحت قرآن کی ایک آیت تلاش کی اور اسے ہر باب کی زینت بنایا۔[۱۰۱]

چنانچہ ''رسول ﷺ نمبر'' کی تمام جلدوں کے مضامین محمد طفیل نے اسی منصوبے اور خیال کے تحت ترتیب دیے ہیں۔

نقوش کے ''رسول ﷺ نمبر'' کی پہلی جلد کا آغاز ''عہد'' کے عنوان کے تحت ''پندرھویں صدی ہجری۔ ماضی و حال کے آئینے میں'' سے ہوتا ہے۔ ''سیرت کی جامعیت کے چند بنیادی اصول''، ''سیرت نگاری کے چند پہلو'' اور ''سیرت نگاری کی ذمہ داریاں'' ایسے مضامین ہیں جن میں سید ابوالحسن ندوی اور قار محمد طیب جیسے مفکرین اور محققین کے خیالات و افکار سے استفادہ کر کے سیرت کے رہنما اصول حاصل کیے گئے ہیں۔ سیرت کے اس وسیع ذخیرہ میں موضوعات کی تخلیق، مواد کی تدوین اور مضامین کی ترتیب میں محمد طفیل نے ان اکابر کی فکر سے رہنمائی حاصل کی ہے۔

''سیرت نبوی ﷺ کا بنیادی مواد'' کے عنوان کے تحت ''ہمہ قرآن در شان محمد ﷺ'' کی عملی صورت فراہم کرنے کے لیے قرآن پاک کی ان آیات اور سورتوں کو ترتیب وار پیش کیا گیا ہے جن میں سرورِ کائنات ﷺ کا ذکر ملتا ہے۔ اسی تسلسل میں ''رسول اللہ ﷺ قرآن کریم کی عملی تفسیر''، ''پیغمبرِ انسانیت، خدا کی نظر میں''، ''قرآن سے مظہرِ نبوت کی تشریح''، ''سیرت رسول قرآن کی روشنی میں''، ''قرآن حکیم اور اطاعتِ رسول ﷺ''، ''نبی کریم کا مقصد بعثت، قرآن کی روشنی میں''، ''کتاب اللہ، محمد رسول اللہ والذین معہٗ''، ''عہدِ نبوی ﷺ میں قرآن مجید کی ترتیب و تدوین'' جیسے اہم مضامین پیش کیے گئے ہیں۔

''سیرت کا دور اوّل'' کے عنوان کے تحت سیرت نگاران رسول ﷺ کا تذکرہ ہے۔ ان سیرت نگاروں میں پہلے سیرت نگار حضرت عروہ بن الزبیر سمیت ابن اسحٰق، ابن ہشام،

ابن سعد، یعقوبی، ابن حزم الاندلسی، ابن عبدالبر، قاضی عیاض، ابن کثیر، علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی، ابن الجوزی اور دیگر سیرت نگاروں اور ان کی کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد آخر میں ''سیرت نبوی ﷺ کی اوّلین کتابیں اور ان کے مؤلفین'' کے عنوان کے تحت بارہ کتابوں کا ذکر ہے جن کے مؤلفین میں ابان بن عثمان، شرجیل بن سعد، عروہ بن الزبیر، وہب بن منبہ، عبداللہ بن ابی بکر بن حزم، عاصم بن عمر، ابن شہاب الزہری، موسیٰ بن عقبہ، معمر بن راشد، محمد بن اسحٰق، ابومعشر السندی، الواقدی اور محمد بن سعد کا ذکر کیا گیا ہے۔

''نقوش'' کے رسول ﷺ نمبر'' کی دوسری جلد کا آغاز ''رسول اللہ ﷺ ایک نظر میں'' کے عنوان کے تحت دو مضامین سے ہوتا ہے۔ ان مضامین میں حضور اکرم ﷺ کی شخصیت اور آپ ﷺ کے شمائل کے بارے میں مختلف حوالوں اور مصادر کی روشنی میں معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔

''سیرت نبوی ﷺ کی فوقیت'' کے عنوان تلے توقیتی تضادات اور ان کے حل پر مشتمل نہایت نادر و نایاب مضامین شامل ہیں۔ ان مضامین کی افادیت دائمی ہے اور ان کے ذریعے حضور ﷺ کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات کو سنین اور ماہ و سال کی درستی کے پیش کیا گیا ہے۔

''الرسالات النبویہ ﷺ'' کے عنوان کے تحت مختلف بادشاہوں، شخصیات اور قبائل کے نام حضور ﷺ کے لکھے ہوئے ننانوے (۹۹) خطوط پیش کیے گئے ہیں۔ ''حقیقت توحید'' اور ''حقیقت وحی'' کے موضوع پر امین احسن اصلاحی اور مولانا محمود حسن کے مضامین اہل نظر کی بصیرت میں اضافہ کرتے اور جویانِ علم کے لیے مشعل راہ کا کام دیتے ہیں۔

اس جلد میں سید سلیمان ندوی کی ''سیرت النبی ﷺ'' جلد ہفتم کا مسودہ بھی شامل اشاعت ہے۔ اسی طرح مکہ اور مدینہ کی قدیم تاریخ پر، تفصیلی مضامین بھی ہیں جو بڑی عرق ریزی سے لکھے گئے ہیں۔ ''فخر موجودات کی مکی اور مدنی زندگی'' کے حوالے سے حضور ﷺ کی زندگی کے ایام قبل نبوت، آغاز نبوت، ایام وحی والہام، آغاز دعوت سے لے کر حضور ﷺ کی مدنی زندگی کے جستہ جستہ واقعات دل و نظر کو سکون بخشتے ہیں۔

اس جلد کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ڈاکٹر حمید اللہ کی انگریزی کتاب ''محمد رسول اللہ ﷺ'' کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ ''نقوش'' نے سیرت پر ان کی پوری کتاب چھاپ دی ہے تاکہ حضور ﷺ کی حیات مبارکہ کے مربوط حالات سامنے آسکیں۔ ''رسول ﷺ نمبر'' کی

جلد اوّل اور جلد دوم میں ایک لحاظ سے سیرت کے بنیادی پہلوؤں پر پوری تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔

''رسول ﷺ نمبر'' کی جلد سوم کا انداز پہلی دو جلدوں سے مختلف ہے۔ اس نمبر میں درج ذیل عنوانات قائم کرکے ان کے تحت متعدد مضامین شامل کیے گئے ہیں۔

۱۔ عالم بشریت، اسلام سے پہلے

۲۔ رحمتہ اللعالمین ﷺ، بہ حیثیتِ انسانِ کامل

۳۔ اصلاحِ معاشرہ

۴۔ عظمت انسانی کا نقیبِ اوّل، ہمارے رسول ﷺ

۵۔ سیاسی نظام پر اثرات

۶۔ فلاحی معاشرہ اور اقتصادی نظام

ان چھ موضوعات نے تحت ۶۴ مضامین شایع کیے گئے ہیں۔ ان میں ہر مضمون اپنی جگہ مستقل اہمیت اور افادیت کا حامل ہے۔ ''عالم بشریت، اسلام سے پہلے'' کے ذیل میں ''انسانیت اسلام سے پہلے''، ''دنیائے قبل از اسلام پر ایک نظر''، ''اسلام سے پہلے عرب تصورات''، ''عہد جاہلیت میں عربوں کے معتقدات''، ''تجارت العرب قبل از اسلام''، ''اسلامی انقلاب کا اثر جاہلی معاشرے پر'' اور ''ابتدائے اسلام میں اخلاقی فکر کا ارتقا'' جیسے مضامین شامل ہیں۔ دوسرے حصے ''رحمتہ اللعالمین ﷺ، بہ حیثیتِ انسان کامل'' کے ذیل میں نبی ﷺ رحمت کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر نہایت بسیط انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

''اصلاحِ معاشرہ'' کے ذیل میں ''کارنامۂ سیرت، بے رحم تاریخ کی کسوٹی پر''، ''نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں''، ''سیرت نبوی ﷺ کا پیغام عہد حاضر کے نام''، ''نبی کریم ﷺ اپنے گھر میں''، نبی کریم ﷺ بہ حیثیت داعی الی الحق''، ''سرور ﷺ کونین اور سماجی انصاف''، ''نبی کریم ﷺ اور اصلاح معاشرہ''، رسول ﷺ اللہ اور طرز معاشرت'' کے عنوان سے جامع مضامین پیش کیے گئے ہیں۔ چوتھے حصے ''عظمتِ انسان کا نقیب اول، ہمارے رسول ﷺ'' کے عنوان کے تحت ''سرور ﷺ کائنات کے حقوق امت پر''، ''حضور انور ﷺ کی امتیازی خصوصیات''، ''رحمت و رافت کی روحِ رواں''، ''حضور ﷺ نے انسانی معاشرت کو کیا دیا''، ''نبی کریم ﷺ کے بنیادی عناصر''، پیغمبر ﷺ اسلام کا پیغام امن و سلام''، ''آزادی کا علمبردار نبی ﷺ''،

''اسلامی معاشرہ اور نابینا افراد''، ''اسلام اور جنسی مساوات''، ''رسول اللہ ﷺ اور طبقہ نسواں''، ''سرور کائنات ﷺ کا رویہ منافقوں سے'' جیسے مضامین شامل ہیں۔

پانچویں حصے ''سیاسی نظام پر اثرات'' کے تحت ''رسول اللہ ﷺ کی بین الاقوامیت''، ''عہد نبوی ﷺ کی سیاست خارجہ کا شاہکار''، ''عالم عربی کی قیادت''، ''اسلام کا سیاسی و معاشرتی تصور''، ''سرورِ کائنات ﷺ کی حکومت''، ''نبی ﷺ بہ حیثیت ایک مدبر اور ماہر سیاست''، سرور کائنات ﷺ کا دربار''، ''عہد نبوی ﷺ کے عربی ایرانی تعلقات''، ''عہد نبوی ﷺ کے اصول سیاسیات''، ''رسول اللہ ﷺ کے عہد میں نظام عدل''، ''اسلام اور مذہبی رواداری''، ''دعوتِ نبوی ﷺ کے اصول و مقاصد''، کے عنوانات کے تحت گراں قدر مضامین اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔

آخری حصے ''فلاحی معاشرہ اور اقتصادی نظام'' میں ''رحمت عالم ﷺ کا پیش کردہ نظام حیات''، ''عہد جدید کے مسائل اور آنحضرت ﷺ کا پیغام''، ''اسلام کا بنیادی فلسفہ''، ''رسول اکرام ﷺ کا معاشی نظام''، ''نقش پیمبر ﷺ، سماجی انصاف''، ''عہد نبوت کے عمرانی اور تمدنی مسائل'' کے عنوانات سے وقیع مضامین شامل ہیں۔

''نقوش'' کے ''رسول ﷺ نمبر'' کی جلد چہارم میں درج ذیل بنیادی عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔

۱۔ ایک عظیم انقلاب کا بانی و رہبر
۲۔ علومِ انسانی کے فروغ پر ہمارے رسول ﷺ کا اثر
۳۔ اخلاقی اصلاح
۴۔ ہمارے رسول ﷺ بہ حیثیت سپہ سالار
۵۔ ہمارے رسول ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں
۶۔ متعلقاتِ سیرت

ان بنیادی عنوانات کے ذیل میں کل ۶۵ مضامین شامل ہیں۔

حصہ اوّل میں ''ہمارا پرچم انقلاب لا الہٰ الاّ اللہ''، ''پیغمبرِ انقلاب''، ''رحمتِ عالم کا ہمہ گیر انقلاب''، ''انقلابِ محمدی ﷺ''، ''آنحضرت کا اسلوبِ دعوت و ایثار'' اور ''بندگی کا اسلامی تصور'' کے عنوان سے مضامین ترتیب دیے گئے ہیں۔ حصہ دوم میں ''صدر اسلام میں دینی علوم کے

ارتقا کا اجمالی جائزہ''، ''عرب اور علوم طبیہ''، طب نبوی ﷺ، طبِ رسول ﷺ'' اسلامی عہد میں تعلیم نسواں''، ''عہد نبوی ﷺ میں نظام تعلیم''، ''عہدِ رسول ﷺ میں نظامِ تعلیم''، ''عہد نبوی ﷺ اور عہدِ صحابہؓ کی تعلیمی سرگرمیاں''، عہد نبوی ﷺ میں علمی ترقیاں''، ''جغرافیہ اسلامی عہد میں،'' تاجدارِ عالم کی فصاحت و بلاغت'' اور'' دورِ نبوی ﷺ میں عرب قوم'' کے عنوان سے بیش قیمت مضامین شامل ہیں۔ حصہ سوم میں اخلاقی اصلاح کے حوالے سے جو مضامین ترتیب دیے گئے ہیں ان کے عناوین یہ ہیں: ''اوصاف رسول ﷺ''، ''جوہر خلقِ عظیم''، ''رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ دائمی نمونہ عمل ہے''، ''تاجدارِ مدینہ کی گھریلو زندگی''، ''شیم الحبیب ﷺ''، ''جناب رسالت مآب کی شگفتہ مزاجی''، ''معلم انسانیت کی پسندیدہ غذائیں''، ''سیرت طیبہ کا مطالعہ''۔ حصہ چہارم'' ہمارے رسول ﷺ بہ حیثیت سپہ سالار'' کے ذیل میں جو مضامین دیے گئے ہیں ان کے عنوانات میں ''الجہاد فی الاسلام''، ''جہاد اور اسلام''، ''غزواتِ نبوی ﷺ، ''مہماتِ رسول ﷺ''، ''مہمات حضور ﷺ'' اور اس کے ذیلی عنوانات میں ''اسلام بزور شمیر کا الزام''، ''مکہ میں حضور ﷺ کی مشکلات''، ''بعد از ہجرت''، ''دفاعی تدابیر'' اور ''مہمات کی اقسام'' شامل ہیں۔ اس سلسلے میں ۷۵ اہم اور چند غیر اہم مہمات کا احوال قلم بند کیا گیا ہے۔

حصہ پنجم میں ''ہمارے رسول ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں'' کا عنوان قائم کیا گیا ہے اور اس ذیل میں گیارہ مضامین شامل ہیں۔ جن میں چند اہم موضوعات یہ ہیں: ''ظہور قدرت''، ''کتب سابقہ کی بشارتیں''، قرآن، اسلام اور رسول اللہ ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں''، ''سرورِ کائنات ﷺ غیر مسلم مفکرین کی نظر میں''، ''دین رسول ﷺ اور دیگر مذاہب''، ''شانِ محمد ﷺ بزبان بائبل''، ''آنحضرت ﷺ کی نسبت بعض عیسائیوں کی رائے''، ''سید الانبیاء''، ''محمد ﷺ اور عیسیٰؑ''، ''برنارڈ شا اور عرب''، ''ہندوؤں کی کتب مقدسہ میں بشاراتِ آنحضرت ﷺ''۔

حصہ ششم میں ''متعلقات سیرت'' کے عنوان سے ''سید المرسلین ﷺ کا بچپن''، ''خلقِ عظیم''، ''وماارسلنک الا رحمتہ للعٰلمین''، ''اُردو میں احادیث کے محاورے''، ''دربارِ رسالت ﷺ کا پیغمبرانہ طمطراق''، ''ہجرتِ رسول ﷺ''، ''حیات نبوی ﷺ میں غاروں کی اہمیت''، ''پیغمبر پر سحر''، ''حیات رسالت مآب ﷺ کا ادبی تبصرہ''، ''محفلِ میلاد النبی ﷺ''،

''میر حجاز''، ''حضور اکرم ﷺ اور تعدّدِ ازدواج''، ''رحمت عالم کا لایا ہوا نظامِ حیات''، ''آدابِ رسول ﷺ''، ''ظہور قدسی''، ''نبی ﷺ امی کا مفہوم''، ''بارگاہِ نبوی ﷺ میں''، ''تصویرِ ہجرت''، ''رسول اللہ ﷺ'' کے عہد کا اقتصادی اور معاشی نظام''، ''گنج شائگاں''، ''انسانیت کا منشور آزادی''، ''حجتہ الوداع'' شامل ہیں۔

''رسول ﷺ نمبر'' کی جلد پنجم کا خاص موضوع ''ایک مثالی اسلامی ریاست'' ہے اور پوری جلد اس کے لیے مختص ہے۔ اس جلد کے دو مضامین ''عہد نبوی ﷺ میں ریاست کا نشو و ارتقا'' اور ''عہد نبوی ﷺ میں تنظیم ریاست و حکومت'' کلیدی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان مضامین میں حوالہ وسند کا جدید طریق تحقیق اختیار کیا گیا ہے۔ اوّل الذکر مضمون میں ''بعث نبوی ﷺ کے وقتِ دنیا کا سیاسی نظام''، ''تاسیسِ ریاست''، ''توسیعِ ریاست''، ''استحکامِ ریاست''، ''انتظامِ ریاست'' کے عناوین کے تحت فاضلانہ بحث کی گئی ہے۔ اسی طرح ''ریاست کی فکری بنیادیں'' اہم بحث ہے جس میں ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ، ایمان بالرسالت، ایمان بالکتب اور ایمان بالآخرت کو اسلامی ریاست کی بنیادوں کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس جلد کا دوسرا مضمون ''عہد نبوی ﷺ میں تنظیم ریاست وحکومت'' ایک جامع اور مبسوط مضمون ہے۔ اس میں مرحلہ وار اسلامی ریاست کا ارتقا دکھایا گیا ہے جو اسلام کے اصول تدریج کا ثبوت ہے۔ اس مضمون میں ظہور اسلام کے وقت قریش مکہ، مغربی قبائل، مشرقی قبائل، شمالی اور جنوبی قبائل، پراگندہ قبائل کی تاریخ، ان کا سیاستِ عرب پر اثر اور اسلام کے ساتھ ان کی کشمکش اور ان پر غلبہ اسلام ایسے مباحث ہیں جنھیں سمجھے بغیر اسلامی ریاست کے قیام کو سمجھنا ممکن نہیں۔ اس مضمون کے دیگر موضوعات میں ''فوجی تنظیم عہد رسالت میں''، ''اسلامی ریاست کا شہری نظم ونسق'' سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر قابل قدر تحقیقاتی اضافہ ہیں۔ ''اسلامی ریاست کا مالی نظام'' دورِ حاضر کے افراط وتفریط پر مبنی سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظاموں کی موجودگی میں اسلامی مساوات کی عمدہ تصویر کشی ہے۔

رسول ﷺ نمبر کی پانچویں جلد کے مضامین پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ لکھتے ہیں:

> ''رسول ﷺ نمبر میں مثالی اسلامی ریاست کے موضوع پر جتنا مواد شائع کیا گیا ہے وہ جدید طرز تحقیق اور منہاج تصنیف کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ ڈاکٹر نثار احمد کے

مضمون ''عہدِ نبوی ﷺ میں ریاست کا نشو و ارتقا'' کے صرف حواشی و حوالہ جات ۱۱۰ صفحات پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی کے مضمون ''عہد نبوی ﷺ میں تنظیم ریاست و حکومت'' کے حواشی و حوالہ جات اتنے زیادہ تھے کہ پانچویں جلد ان کی متحمل نہ ہوسکی اور انھیں بارھویں جلد کے ۳۳۱ صفحات پر شایع کیا گیا۔ تعلیقات، حواشی اور حوالہ و سند کے التزام کو جدید منہاج تحقیق میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ رسول ﷺ نمبر کے یہ مضامین اس ضرورت کو کما حقہ، پورا کرتے ہیں اور انھیں اعلیٰ تحقیقی و معیاری تحقیقات کی صفِ اول میں شمار کرتے ہیں۔''۱۰۲؎

جلد پنجم میں شامل ان دو مقالات کے بارے میں خود محمد طفیل کی یہ رائے ہے کہ:

''اگر میں نے اور کچھ بھی نہ کیا ہوتا اور صرف یہی دو (غیر مطبوعہ) مقالے پیش کیے ہوتے تو بھی میرے اطمینان کے لیے بہت تھے۔''۱۰۳؎

''رسول ﷺ نمبر'' کی جلد ششم میں ''فن حدیث'' اور ''اقوال رسول ﷺ'' کے مضامین پیش کیے گئے ہیں۔ اس جلد کے تعارف میں محمد طفیل لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ کہا اس کا کچھ حصہ آپ کو اس جلد میں ملے گا۔ جو کچھ کیا وہ باقی جلدوں میں، یہ دنیا کی اکیلی ہستی ہے کہ جو کہا وہی کیا، جو کیا وہی کچھ کہا۔
احادیث کے سلسلے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ پیمانہ ایک ہے کہ جو حدیث قرآن کے مزاج کے خلاف ہو اسے قبول نہ کیا جائے۔ ایسی حدیث منسوب ہوگی، حقیقی نہ ہوگی، اس لیے کہ رسول ﷺ کی زندگی قرآن کی عملی تفسیر تھی۔
اقوال کو درج کرنے سے پہلے ہم نے علم حدیث اور تدوین حدیث پر فنی نوعیت کے مضامین پیش کیے ہیں تاکہ احتیاط کی تمام نزاکتوں کو پیش نظر رکھا جاسکے۔ ایسا اہتمام احادیث کی اور کسی کتاب میں یکجا نہ ملے گا۔''۱۰۴؎

اس جلد میں ''فن حدیث'' کے ذیل میں دس مضامین شامل ہیں۔ جن کی ترتیب اس طرح ہے۔

۱۔ ''برصغیر میں تدوین حدیث''
۲۔ ''برصغیر میں علم حدیث کی تاریخ''
۳۔ ''برصغیر میں کتب حدیث کی نایابی''
۴۔ ''تدوین حدیث''

۵۔ ''تدوین سنت''

۶۔ ''حدیثوں کی جمع و تدوین''

۷۔ ''صدرِ اسلام میں حدیث کی کتابت و تدوین''

۸۔ ''کتابت احادیث، عہد نبوی ﷺ میں''

۹۔ ''حدیث کے ظنی ہونے کا ثبوت''

۱۰۔ ''احادیث میں تمثیلات''

''اقوالِ رسول ﷺ'' کے عنوان کے تحت اعتقادات، عبادات، کتاب الجہاد، کتاب التفسیر، معاملات، اخلاقیات، نظامات، سیرت و مناقب کے ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ ان ابواب میں کل ۶۳۲۔ احادیث درج کی گئی ہیں۔ ''رسول ﷺ نمبر'' کی جلد ہفتم کے مضامین کی ترتیب کچھ یوں ہے۔

۱۔ مکالمات رسول ﷺ

۲۔ کاتبان وحی

۳۔ سیر الطیبات

۴۔ عہد نبوی ﷺ کے چند نامور سپہ سالار

۵۔ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے

۶۔ رسولِ اکرم ﷺ کی حکمت سیاست

۷۔ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے والے وفود

۸۔ النبی الامی

ان مضامین کے تعارف میں محمد طفیل کی درج ذیل سطور ملاحظہ ہوں:

> ''اس جلد میں مضمون تھوڑے ہیں مگر بے حد اہم ہیں۔ پہلا مضمون مکالماتِ رسول ﷺ ہے۔ یہ مضمون میرے اسی جذبے کی ترجمانی کرتا ہے کہ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے جو کچھ نکلا ہو اُسے ان نمبروں میں بھی محفوظ کر لیا جائے۔ ''دربارِ رسالت کے فیصلے'' بھی اسی نوعیت کا مضمون ہے جو اپنے اندر حکمتوں کے خزانے رکھتا ہے۔ ایک نکتے کی وضاحت سے ہزار نکتوں کی وضاحت ہوتی ہے۔
> یہ مضامین ہماری زندگی کے رہنما مضامین ہیں، قلید (کلید) ہیں۔
> کاتبانِ وحی پر اتنی تفصیل سے مضمون اُردو کی کسی سیرت کی کتاب میں نہ ملے گا۔

ابوبکر صدیقؓ بھی کاتب وحی، خالدؓ بن ولید بھی کاتب وحی اور ابوایوب انصاریؓ بھی کاتب وحی۔ اسی طرح سیر الطیبات پر مضمون جو حضور ﷺ کی بیٹیوں سے متعلق ہے خاصی تفصیل سے پیش کیا جارہا ہے۔

عہد نبوی ﷺ کے سپہ سالار، یوں تو ہم نے قبل ازیں چوتھی جلد میں ''مہماتِ رسول ﷺ'' کے تحت چند مضامین پیش کیے تھے مگر یہ مضمون قدرے مختلف ہے، یہاں بحث کون کس محاذ پر لڑا اور کیا کارنامے انجام دیے۔

سیرت ابن ہشام، جو سیرت کی بنیادی کتاب ہے۔ اُس میں حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچنے والے وفود کا اتنا تفصیل سے ذکر نہیں ہے جتنا کہ اس مضمون میں ہے۔ یعنی یہ مضمون اُس موضوع پر اضافہ ہوا۔ آخر میں ''النبی الامّی'' مضمون ہے۔ وہ ہستی کہ جو جامع کمالات تھی۔ جن کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ حکمت رکھتا تھا۔ وہ اُمّی تھا، ان کی زبان پر جو کچھ تھا وہ منشائے خداوندی تھا۔ یہاں اس مضمون کی اشاعت اسی نکتہ کی وضاحت کے لیے ہے۔ کون جان سکتا تھا کہ جو ایسے حکمت آمیز کلمات کہہ رہا ہے وہ اُمّی ہے۔ جو ایسے فیصلے دے رہا ہے وہ اُمّی ہے۔'' [105]

''رسول ﷺ نمبر'' کی جلد ہشتم میں جو بنیادی عنوانات قائم کیے گئے ہیں وہ کچھ یوں ہیں:

ا۔ خطباتِ رسول ﷺ	۲۔ اصحاب بدر
۳۔ واقعہ ہجرت	۴۔ فصاحت و بلاغت
۵۔ اصحاب صفہ	۶۔ علم وتہذیب
۷۔ جوامع الکلم	۸۔ نازک ترین لمحات
۹۔ عقلی ثبوت	۱۰۔ خاتم النبیّین

''خطباتِ رسول ﷺ'' کے عنوان کے تحت حضور اکرم ﷺ کے ۶۸ خطبات پیش کیے گئے ہیں۔ ان بلیغ خطبات کی روشنی میں دین شناسی اور تفہیم اسلام کے مراحل طے ہوتے ہیں۔

''اصحابِ بدر'' میں ان شہداء کا ذکر ہے جو تاریخِ اسلام کے پہلے غزوے میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔

''واقعہ ہجرت'' کے ذیل میں چار اہم مضامین شامل ہیں جن کے عنادین یہ ہیں۔

ا۔ واقعہ ہجرت کی عالمگیر اہمیت

۲۔ ہجرت نبوی ﷺ کے اسباب ومحرکات

۳۔ ہجرتِ رسول ﷺ

۴۔ ہجرتِ نبوی ﷺ (راہیں، قیام، منزلیں)

''فصاحت و بلاغت'' کے سلسلے میں ''فصاحتِ نبوی ﷺ'' اور ''رسول اللہ ﷺ کے کلام کی فصاحت و بلاغت'' (دو مضامین) شاملِ اشاعت ہیں۔

''اصحاب صفہ'' کے عنوان کے تحت ان ۸۸ صحابہ کرام کا ذکر کیا گیا ہے جن کے بارے میں حضور ﷺ نے جنتی ہونے کی بشارت دی۔ بقول محمد طفیل:

> ''سیرت کی اردو کتابوں میں اصحاب صفہ پر چند ایک صفحات کے مضامین تو ملتے ہیں، وہ بھی صرف اس عنوان سے کہ وہ لوگ فضیلتوں کے مالک تھے۔ مگر وہ لوگ کون تھے، ان پر یہ مضمون اضافہ کی حیثیت رکھے گا۔''[۱۰۶]

''علم و تہذیب'' کے ذیل میں ایک مضمون ''علم و تہذیب کی ترقی میں معارف محمدی ﷺ کا حصہ'' شامل ہے۔

''جوامع الکلم'' کے سلسلے میں ''حضور ﷺ کے جوامع الکلم''، ''ارشاداتِ نبوی ﷺ (جوامع الکلم)'' اور ''جوامع الکلم'' کے عنوانات سے تین مضامین شامل ہیں۔

''نازک ترین لمحات'' کے ذیل میں دو مضامین شامل ہیں۔ بقول محمد طفیل:

> ''یہ نیا موضوع ہے۔ اس موضوع پر حضور ﷺ کے حوصلے اور تدبر کی بات زیادہ تفصیل کے ساتھ سامنے آئے گی۔''[۱۰۷]

''عقلی ثبوت'' کے عنوان سے تین مضامین میں نبوتِ محمدی ﷺ کا عقلی ثبوت بہم پہنچایا گیا ہے۔ اس موضوع پر پہلے بہت کم لکھا گیا ہے۔ اس اعتبار سے ان مضامین کی اپنی ایک اہمیت ہے۔

''خاتم النبیین'' کے موضوع پر تین مضامین پیش کیے گئے ہیں، جن میں منطقی دلائل کے ساتھ ان موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

''رسول ﷺ نمبر'' کی جلد نہم کے مضامین کی ترتیب اس طرح ہے۔

۱۔ سیرت اور مطالعہ سیرت

۲۔ آثار

۳۔ متعلقاتِ سیرت

۴۔ جاں نثاران محمد ﷺ (خلفاء)

''سیرت اور مطالعہ سیرت'' کے عنوان کے تحت چھ مضامین شامل ہیں جن کی ترتیب یہ ہے۔

ا۔ سیرت طیبہ، حضور ﷺ کے اسماء والقاب کے آئینے میں

۲۔ ادب قبل از اسلام میں ذکرِ خیر الانام

۳۔ اسلامی تاریخ نگاری میں زہری کا حصہ

۴۔ ابوالحسن علی بن حسین بن علی المسعودی

۵۔ سیرت کی چھیالیس مطبوعہ اور قلمی کتابیں

۶۔ سیرت اور مطالعہ سیرت

''آثار'' کے عنوان کے تحت مقامات مقدسہ، یادگاروں اور ان شہدائے کرام کا ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے حضور ﷺ کے پیغام پر لبیک کہا۔ اور اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ مقامات اور یادگاروں کے سلسلے میں ''مدینۃ الرسول ﷺ، بزبان محمد رسول اللہ ﷺ''، ''مدینۃ النبی کی اولین اسلامی مملکت''، ''جنت البقیع''، ''رحمتہ للعالمین ﷺ کی قائم کردہ چراگاہیں'' اور ''عظیم یادیں'' جنھیں حضور ﷺ سے نسبت ہے'' کے موضوع پر مضامین تحریر کیے گئے ہیں۔

''متعلقاتِ سیرت'' کے ذیل میں ''عہد نبوی ﷺ اور نظام اقتصاد''، ''شعب ابی طالب'' اور ''تقابل تقویمین'' کے عناوین سے مضامین ملتے ہیں۔ ''متعلقاتِ سیرت'' ہی کے دوسرے حصے میں ۱۴ مضامین ہیں جن میں سیرت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے اور حضور ﷺ کی قوتِ قدسیہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

''جاں نثاران محمد ﷺ'' کے عنوان کے تحت خلفاءِ راشدین کا ذکرِ خیر ہے۔ ان مضامین میں خلفاءِ راشدین کے کارناموں کی جھلک سامنے آتی ہے کہ وہ اٹھتے بیٹھے، چلتے پھرتے، کہتے سنتے سنتِ رسول ﷺ کی پیروی کرتے تھے۔ ''رسول ﷺ نمبر'' کی جلد دہم ''نعت'' کے لیے مخصوص ہے۔ اس نمبر کا تعارف کراتے ہوئے محمد طفیل لکھتے ہیں:

> ''آج تک جتنے انتخابی مجموعے سامنے آئے ان میں لکیر کی فقیری پائی گئی۔ مگر ہماری یہ سعی قدرے مختلف ہوگی ہم نے اس معین روش کو بدلنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں درود و سلام، قصائد، مسدس، مخمس، مثنوی، تضمین، رباعیات وقطعات، نعتیہ نظم، آزاد نعتیہ نظم اور نعتیہ غزل کو عنوانات بنا کر تخلیقات پیش کی ہیں۔'' ۱۰۸

اس جلد کے آغاز میں نعت کے حوالے سے چھ مقالات پیش کیے گئے ہیں۔ ان مقالات کے عناوین یہ ہیں۔

۱۔نعت (لغوی مفہوم)

۲۔اُردو کی نعتیہ شاعری پر قرآن وحدیث کے اثرات

۳۔اُردو کے نعتیہ گلدستے

۴۔عربی زبان میں نعتیہ کلام

۵۔فارسی زبان میں نعتیہ کلام

۶۔اُردو زبان میں نعتیہ کلام

اس کے بعد عربی اور فارسی زبان میں لکھی جانے والی نعتوں کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ عربی زبان میں ۴۲ اور فارسی زبان میں ۵۱ منتخب نعت گو شعراء کا کلام اِس نمبر کی زینت ہے۔

اُردو زبان میں لکھی جانے والی نعتوں کو صنف وار ترتیب دیا گیا ہے۔''درود وسلام'' کے ذیل میں ۱۶ شعرا کا کلام شامل ہے۔''قصائد'' کے ذیل میں ۱۸ شعراء کی نعتیں شامل کی گئی ہیں۔''مثنوی'' کے ذیل میں ۱۵ شعراء کی نعتیہ مثنویاں شامل ہیں۔''مسدس'' اور''مخمس'' کے سلسلے میں ۱۱ نعت گو شعراء کے نام نظر آتے ہیں۔''نظموں'' کے حوالے سے ۹ شعراء کا نعتیہ کلام دیا گیا ہے۔''آزاد نظم'' کے ذیل میں ۳ شعراء کے نام آتے ہیں۔'' تضمین کے ضمن میں ۶ شعراء کا کلام شامل ہے۔''رباعیات وقطعات'' کی اصناف میں ۹ شعراء کے نام ملتے ہیں۔ ''متعلقات'' کے عنوان سے ۲۴ شعراء کا کلام دیا گیا ہے۔ اور''نعتیہ غزل'' کے ذیل میں قلی قطب شاہ سے لے کر احسان دانش تک ۱۲۶ شعراء کا کلام شامل ہے۔شعراء کے انتخاب کے سلسلے میں محمد طفیل لکھتے ہیں کہ:

> ''اس جلد میں اور اتنے صفحات میں صرف مرحوم شعرا ہی کا کلام پیش کیا جاسکا۔ بہر حال زندہ شعراء پر ایک الگ جلد پیش کی جائے گی۔ کیوں کہ اس جلد میں بھی سینکڑوں شعراء کی تخلیقی کاوشیں ہوں گی۔ انھیں اسی ایک جلد میں سجایا نہیں جاسکتا۔ اگر ایسی کوشش کی جاتی تو کسی کا بھی حق ادا نہ ہوتا۔''[۱۰۹]

مجموعی طور پر''رسول ﷺ نمبر'' کی یہ جلد عربی، فارسی اور اُردو زبان کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے ایک دستاویز کا درجہ رکھتی ہے۔''نقوش'' کے''رسول ﷺ نمبر'' کی جلد یازدہم میں

نو دریافت سیرت ابن اسحٰق کو مکمل طور پر شایع کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں محمد طفیل لکھتے ہیں:

''جب میں نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کو لکھا کہ رسول ﷺ نمبر کے لیے کوئی خاص چیز دیجیے، تو انھوں نے بتایا کہ سیرت ابن اسحٰق دریافت ہوئی ہے۔ مسودہ بھی تیار کر کے پبلشر کے حوالے کر دیا ہے مگر وہ ابھی تک چھپی نہیں، پبلشر کو خط لکھیے کہ جلد چھاپ دیں، چھپ جائے تو آپ اس کا اُردو ترجمہ چھاپ دیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا کیوں کہ ہم سب تیرہ سو سال سے یہ سنتے آ رہے تھے کہ سیرۃ ابن اسحٰق کا وجود ہے مگر وہ معاملہ سب کی دسترس سے باہر رہا۔ الحمدللہ کہ اتنے عرصے بعد آج ہم اس قابل ہوئے کہ سیرت ابن اسحٰق کو اُردو میں پہلی بار چھاپنے کا فخر حاصل کر رہے ہیں۔ اب سیرت کی کتابون کو اس سیرت کی روشنی میں سوچا، سمجھا اور لکھا جائے گا۔ پہلے ہم یہ جملہ پڑھتے تھے کہ ابنِ اسحٰق نے یہ کہا، اب یوں پڑھیں گے کہ ابن اسحٰق نے یہ لکھا۔ یہ سعادت کوئی معمولی نہیں جو ہمارے حصے میں آئی۔''[۱۰]

سیرۃ ابن اسحٰق کے ضمن میں ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ لکھتے ہیں:

''مصادرِ سیرت کی بحث میں ''سیرۃ ابن اسحٰق'' کی دریافت اس کی ترکی میں طباعت اور اس کے اُردو ترجمے کی رسول ﷺ نمبر کی گیارہویں جلد میں اشاعت ایک حیرت ناک کارنامہ ہے۔ تیرہ سو سال تک اس کا ذکر ہوتا رہا مگر یہ کہیں دستیاب نہ تھی۔ واقعی بقول طفیل صاحب ''یہ سعادت کوئی معمول سعادت نہیں جو ہمارے حصے میں آئی۔''[۱۱]

سیرۃ ابن اسحٰق کے علاوہ اس جلد میں ''عہد نبوی ﷺ میں غزوات و سرایا کی اقتصادی اہمیت'' کے عنوان سے مضمون شامل ہے۔ اس سے پہلے سیرت کی کتابوں میں غزوات اور سرایا پر تو بہت کچھ لکھا گیا لیکن اس کے اقتصادی پہلو پر کسی کی نظر نہ گئی۔ اس اعتبار سے یہ بالکل نیا اور اہم موضوع ہے۔

اس کے علاوہ اس جلد میں شامل مضمون ''مستشرقین اور مطالعۂ سیرت'' بھی بہت اہم ہے۔ سیرت پر کوئی کام اس کے تجزیہ و تحقیق کے بغیر مکمل نہیں ہوتا چنانچہ اس موضوع کو بڑی محنت سے ''تعارف، تاریخ، تجزیہ اور فہرست'' کے عنوانات کے تحت پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح ایک اہم تحقیقی مضمون ''عہد نبوی ﷺ میں عدلیہ اور انتظامیہ'' بھی اس جلد کی زینت ہے۔ اس مضمون کے ذیلی عناوین ''عرب قبل از اسلام''، ''قبل از اسلام عرب میں

نظامِ عدل''، ''دستورِ مدینہ کے تحت عدلیہ''، ''قرآنی دستور کے تحت نظام عدالت''، ''عہدِ رسالت میں صوبائی نظامِ عدالت''، اور''عدالت کا نظامِ عدالت اور جدید معترضین و مستشرقین'' سے اس مضمون کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔''رسول ﷺ نمبر'' جلد دوازدہم میں پانچویں جلد کے ایک اہم مضمون ''عہدِ نبوی ﷺ میں تنظیم ریاست وحکومت'' کے حواشی پیش کیے گئے ہیں جو ۲۷۹ صفحات کو محیط ہیں۔ بقول محمد طفیل:

> ''میرے نزدیک حواشی ایک تصنیف (مضمون) کے بعد دوسری تصنیف (حواشی) کا درجہ رکھتے ہیں۔حواشی کو ہمارے نمبروں میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔''[۴۲]

اس جلد میں ایک مضمون ''سرورِ ﷺ انسانیت'' کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے۔ اپنے انداز کا یہ منفرد مضمون بطرزِ پند و نصائح ترتیب دیا گیا ہے۔ اسے پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بات ذہن میں اترتی چلی جاتی ہے۔ اس مضمون کے ذیلی عنوانات میں ''آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ قبل بعثت''، ''آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ ہجرت تک''، ''ہجرت حبشہ سے ہجرتِ مدینہ تک''، ''ہجرت سے لے کر مدینہ منورہ تک''، ''رسول اللہ ﷺ کے جنگی معرکے'' اور ''فتح مکہ سے وفات تک'' شامل ہیں۔ اس جلد میں رسول ﷺ نمبر کی گذشتہ ۱۲ جلدوں کا اشاریہ بھی مرتب کر کے پیش کیا گیا ہے۔

''رسول ﷺ نمبر'' کی جلد سیزدہم اس مقدس سلسلے کی آخری جلد ہے اور یہ خلفاء راشدین حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے سوانحی حالات اور کارناموں پر مشتمل ہے۔ اس نمبر کا تعارف پیش کرتے ہوئے محمد طفیل لکھتے ہیں:

> ''حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ پر چار کتابیں عربی زبان میں چھپیں، جنھیں ابوالنصر نے لکھا اور بے پناہ شہرت پائی۔ انھیں ادارہ نقوش نے ربع صدی پہلے کتابی صورت میں بھی پیش کیا تھا۔ یہ حوالے کی کتاب ہے جس کی بے حد ضرورت تھی، اسے اب یہاں بھی ایک عرصے کے بعد دوبارہ پیش کیا جارہا ہے تاکہ علمی تشنگی دور ہو۔
>
> جو پیغام ہمارے خدا کا ہے، ہمارے نبی آخر الزماں ﷺ کا ہے۔ اسے عملی طور پر پیش کرنے کے لیے حضور ﷺ کے بعد خلفاء ہی کا نام آتا ہے۔ ان میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ کیوں کہ چاروں اپنی اپنی حیثیت میں یکتائی کا درجہ رکھتے ہیں۔ چاروں ملت کی بقا کے لیے ناگزیر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے عہد

میں اسلام دور دور تک پھیلا۔ چاروں قرآن کے پیروکار تھے، چاروں ارشادِ نبوی ﷺ پر جان دینے والے تھے۔ میرے نزدیک سیرت پر کام، بارہویں جلد تک مکمل ہوگیا ہے۔ میرا منصوبہ تکمیل پذیر ہوا، ورنہ موضوع کی تو تھاہ ہی نہیں۔ ساری دنیا لکھے، ساری دنیا کے چھاپے خانے چھاپیں تو بھی حق ادا نہ ہو۔

اس تیرھویں جلد کو جی چاہے تو سیرت کے باب میں شامل کرلیں چاہے نہ کریں، آپ کی مرضی! مگر اتنا کہوں گا کہ نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ احکاماتِ الٰہیہ کو نافذ کرنے کے موقع، زیادہ تر خلفاء کے حصے میں آئے، کیوں کہ قدرت کاملہ نے انھیں زیادہ عرصہ مرحمت فرمایا۔'' [۳۱]

اس نمبر میں چاروں خلفاء کی سیرت و سوانح اور کارناموں پر ابوالنصر کے عربی سے ترجمہ کے علاوہ ایک اور مضمون شامل کیا گیا ہے، جس کا عنوان ہے ''خلفاء محمد (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے عہد میں عدلیہ اور انتظامیہ''۔ یہ مضمون اپنے مندرجات کے حوالے سے بے حد اہم ہے اور آج کے عدالتی نظام کے لیے ایک عظیم مثال بھی۔

''رسول ﷺ نمبر'' کی تیرہ جلدوں کے اس جائزے سے محمد طفیل کے اس عظیم کام کی جھلک سامنے آجاتی ہے۔ اتنے بڑے کام کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اکیلے آدمی نے تن تنہا اتنا بڑا کام کیسے سرانجام دے لیا۔ لیکن پھر نقوش کے ''طلوع'' میں محمد طفیل کی دردمندانہ اور اخلاص بھری تحریروں کی صورت میں وہ مناجاتیں اور دل سوز دعائیں سامنے آتی ہیں جو بارگاہِ الٰہی میں مستجاب ہوئیں اور انھیں اِس کام کو کامیابی سے سرانجام دینے کے لیے توفیق ایزدی عطا ہوئی۔

پاکستان اور ہندوستان سے شایع ہونے والے بیشتر ادبی رسائل اپنی کم عمری ہی میں رخصت ہوگئے اور ان میں جو بچ رہے وہ دو چار گام چل کر ہمت ہار گئے جو زیادہ سخت جان نکلے وہ آج بھی جیسے تیسے اپنی زندگی کے دن پورے کررہے ہیں۔ مگر ان رسائل میں یہ امتیاز صرف ''نقوش'' کو حاصل ہے کہ اس نے ہزار مشکلوں اور رکاوٹوں کے باوجود نہ صرف اپنے وجود کو قائم رکھا بلکہ اپنے لازوال ضخیم نمبروں کے ذریعے تاریخ ادب میں وہ مقام حاصل کرلیا جس تک کوئی دوسرا ادبی رسالہ نہیں پہنچتا۔ نقوش نے زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمائندہ ہونے کا حق ادا کردیا۔ اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے کہ اس کی اصل قوتِ محرکہ محمد طفیل کی شخصیت تھی جس نے نقوش کو اپنی آرزوؤں کا ماحصل جانا اور اس کے ہر شمارے کو اور ہر نمبر

کو اپنے خونِ جگر سے سینچا۔ محمد طفیل کی یہ خواہش رہی کہ اُردو ادب میں معیار کے اعتبار سے نقوش وہ مقام حاصل کر لے جو کسی دوسرے کو نصیب نہ ہو اور اسے حال کے علاوہ مستقبل میں بھی نہ بھلایا جا سکے۔ محمد طفیل کی یہ خواہش خدا نے پوری کر دی اور آج جب کہ نقوش اپنی تاریخ کے چوتھے دور میں داخل ہو چکا ہے۔ محمد طفیل کا دور بھی اسی آب و تاب کے ساتھ زندہ ہے کہ محمد طفیل اور نقوش اس طرح یک جان دو قالب ہیں کہ یہ ایک ہی شخصیت کے دو نام بن گئے ہیں۔ بقول سید وقار عظیم:

> ''مجھے محمد طفیل اور نقوش میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ ہم دونوں کے ممنونِ احسان ہیں۔ اگلی نسلیں بھی اس احسان کا بار محسوس کریں گی اور یہ دونوں نقش جو باہم ایک دوسرے کا عکس بن گئے ہیں، ہمیشہ قائم رہیں گے۔'' [۱۱۴]

محمد طفیل کا انتقال ۵ جولائی ۱۹۸۶ء کو ہوا۔ ہمارے یہاں روایت ہے کہ کسی شخص کے اٹھ جانے سے اس کے وہ تمام منصوبے اور کام، جن کے لیے اس نے اپنا خونِ جگر صرف کیا ہوتا ہے، ادھورے اور نامکمل رہ جاتے ہیں اور بدقسمتی سے، اگر اس کے ورثاء بھی اسے بھلا دیں تو اس کے سارے کیے کرائے پر پانی پھر جاتا ہے۔ لیکن محمد طفیل اس اعتبار سے بھی خوش نصیب نکلے کہ ان کی آرزوؤں کے ماحصل ''نقوش'' کو زندہ رکھنے کے لیے ان کے باصلاحیت صاحبزادے جاوید طفیل کی صورت میں ایک مضبوط سہارا مل گیا۔ چنانچہ ''نقوش'' کا چوتھا دور بھی اپنی ایک شان اور وقعت رکھتا ہے۔ اور اسے محمد طفیل کے دور کا تسلسل قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہاں نقوش کے اس جدید دور کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے۔

نقوش کا دورِ چہارم
(جاوید طفیل کی ادارت میں)

شمارہ نمبر ۱۳۳	ستمبر ۱۹۸۶ء	سالنامہ	۴۴۰ صفحات
شمارہ نمبر ۱۳۴	دسمبر ۱۹۸۶ء	عام شمارہ	۶۹۶ صفحات
شمارہ نمبر ۱۳۵	جولائی ۱۹۸۷ء	محمد طفیل نمبر (دو جلدیں)	۱۸۰۴ صفحات
شمارہ نمبر ۱۳۶	دسمبر ۱۹۸۸ء	خاص نمبر	۸۳۶ صفحات
شمارہ نمبر ۱۳۷	دسمبر ۱۹۸۸ء	سالنامہ	۸۷۸ صفحات
شمارہ نمبر ۱۳۸	۱۹۸۹ء	سالنامہ	۴۵۷ صفحات

شمارہ نمبر ۱۳۹	۱۹۸۹ء	سالنامہ	۱۰۰۰ صفحات
شمارہ نمبر ۱۴۰	۱۹۹۱ء	سالنامہ	۸۴۲ صفحات
شمارہ نمبر ۱۴۱	۱۹۹۲ء	سالنامہ	۹۵۹ صفحات
شمارہ نمبر ۱۴۲	۱۹۹۳ء	سالنامہ	۹۶۸ صفحات
شمارہ نمبر ۱۴۳	۱۹۹۸ء	قرآن نمبر (جلد اوّل)	۶۶۲ صفحات
شمارہ نمبر ۱۴۴	۱۹۹۸ء	قرآن نمبر (جلد دوم)	۶۴۸ صفحات
شمارہ نمبر ۱۴۵	۲۰۰۱ء	قرآن نمبر (جلد سوم)	۴۲۹ صفحات
شمارہ نمبر ۱۴۶	۲۰۰۱ء	قرآن نمبر (جلد چہارم)	۶۷ صفحات
شمارہ نمبر ۱۴۷	۲۰۰۵ء	گولڈن جوبلی نمبر پچاس سالہ انتخاب (افسانے جلد اوّل)	۶۸ صفحات
شمارہ نمبر ۱۴۸	۲۰۰۵ء	گولڈن جوبلی نمبر پچاس سالہ انتخاب (افسانے جلد دوم)	۸۱۶ صفحات

''نقوش'' کے آئندہ شماروں میں مقالات، نظم و غزل، طنز و مزاح، سفرنامہ اور ناولٹ وغیرہ کا انتخاب بھی مرتب کیا جا رہا ہے۔ تاہم ان انتخابات سے قبل ''قرآن نمبر'' کی جلد پنجم اور ششم پیش کی جائے گی۔ جس کا موضوع ہے ''تخلیق کائنات سے تخلیق آدم تک۔''

''نقوش'' کے دور چہارم میں اب تک سولہ شمارے شایع ہو چکے ہیں جن میں سالناموں کی تعداد ۷، ایک ''خاص نمبر''، ''قرآن نمبر''، ۴، ''گولڈن جوبلی نمبر''، ۲، ''محمد طفیل نمبر''، ۲ جلدوں میں اور ایک شمارہ عام شامل ہیں۔

حوالے و حواشی

۱۔ محمد طفیل (محمد نقوش): نقوش، شمارہ ۱۰۷، مئی ۱۹۶۷ء، ص ۶۔
۲۔ محمد نقوش، ملتان، کاروانِ ادب، ۱۹۸۳ء، ص ۳۔
۳۔ احمد ندیم قاسمی، طفیل صاحب، (چند تاثرات)، محمد نقوش مرتبہ ڈاکٹر سیّد معین الرحمٰن۔
۴۔ ہاجرہ مسرور، طلوع، نقوش، شمارہ نمبر ۱، مارچ ۱۹۴۸ء، ص ۳۔
۵۔ ایضاً، ایضاً، ص ۴۔
۶۔ احمد ندیم قاسمی، طفیل صاحب (چند تاثرات)، محمد نقوش مرتبہ ڈاکٹر سیّد معین الرحمٰن، ص ۴۹۔

۷۔ ''نقوش'' کے ساتھ ''سویرا'' اور ''ادب لطیف'' پر بھی چھ ماہ کے لیے پابندی عائد کردی گئی تھی کیونکہ یہ دونوں رسائل بھی ترقی پسندوں کے ترجمان تھے۔
۸۔ احمد ندیم قاسمی، طلوع، ''نقوش'' شمارہ نمبر۵، مارچ۔اپریل، ۱۹۴۹ء، ص۳۔
۹۔ احمد ندیم قاسمی، طفیل صاحب (چند تاثرات)، محمد نقوش مرتبہ ڈاکٹر سیّد معین الرحمٰن، ۴۹۔
۱۰۔ وقار عظیم، سید، طلوع، نقوش، شمارہ نمبر۱۱، ۱۲، مئی ۱۹۵۰ء، ص۳، ۴۔
۱۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ، ص ۱۳۸۔
۱۲۔ محمد طفیل، عرض ناشر، نقوش، شمارہ ۱۵، ۱۶، دسمبر ۱۹۵۰ء، ص ۶۔
۱۳۔ محمد طفیل، طلوع، نقوش، شمارہ نمبر۱۹۔۲۰، اپریل ۱۹۵۱ء، ص۵۔
۱۴۔ احمد ندیم قاسمی، طفیل صاحب (چند تاثرات) محمد نقوش، مرتبہ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، ص ۵۰
۱۵۔ ظ۔انصاری، بحوالہ مضمون محمد طفیل اور نقوش، از عبدالقوی دسنوی، نقوش، طفیل نمبر، جلد اول، جولائی ۱۹۸۷ء، ص ۴۵۷۔
۱۶۔ انتظار حسین، محمد طفیل، محمد نقوش، مرتبہ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، ص ۸۷۔
۱۷۔ عبدالقوی دسنوی، محمد طفیل اور نقوش، نقوش، طفیل نمبر، جلد اول، ص ۴۶۷۔
۱۸۔ ضمیر جعفری، سید، طفیل نقوش، نقوش محمد طفیل نمبر، شمارہ ۱۳۵، جلد اول، جولائی ۱۹۸۷ء، ص۳۸۴۔
۱۹۔ مالک رام، محمد طفیل ہفت روز ہماری زبان، دہلی، طفیل نمبر، ۸ مارچ ۱۹۸۷ء، ص۱۔
۲۰۔ محمد طفیل، طلوع، نقوش، افسانہ نمبر، شمارہ ۲۵۔۲۶، ستمبر، اکتوبر ۱۹۵۲ء، ص۴۔
۲۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو افسانہ نقوش کے آئینہ میں، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اول، جولائی ۱۹۸۷ء، ص۴۰۲۔
۲۲۔ محمد طفیل، طلوع، نقوش، افسانہ نمبر، شمارہ ۳۷۔۳۸، جنوری ۱۹۵۴ء، ص ۶۔
۲۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو افسانہ نقوش کے آئینہ میں، نقوش محمد طفیل نمبر، ص۴۰۲۔
۲۴۔ محمد طفیل، نقوش، افسانہ نمبر، جلد اول، شمارہ ۳۷۔۳۸، ص ۱۰۔
۲۵۔ محمد طفیل، طلوع، نقوش، افسانہ نمبر، شمارہ ۸۵۔۸۶، نومبر ۱۹۶۰ء، ص ۵۔
۲۶۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو افسانہ نقوش کے آئینہ میں، نقوش، محمد طفیل نمبر، ص ۴۱۸۔
۲۷۔ محمد طفیل، طلوع، نقوش، غزل نمبر، شمارہ ۸۹، فروری ۱۹۶۰ء، ص۱۴۔
۲۸۔ زکریا، ڈاکٹر محمد خواجہ، نقوش کا غزل نمبر، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اول، ص ۴۲۰۔
۲۹۔ محمد طفیل، طلوع، ۳، نقوش، غزل نمبر، اکتوبر ۱۹۸۵ء، ص ۱۰۔
۳۰۔ محمد طفیل، طلوع، نقوش، غزل نمبر، فروری ۱۹۶۰ء، ص۱۴۔
۳۱۔ زکریا، ڈاکٹر محمد خواجہ، نقوش کا غزل نمبر، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اول، ص ۴۲۷۔
۳۲۔ محمد طفیل، طلوع، نقوش، طنز و مزاح نمبر، شمارہ ۷۱۔۷۲، جنوری۔فروری ۱۹۵۹ء، ص ۸۔۱۰۔

۳۳۔ نثار احمد فاروقی، نقوش کے خاص نمبر، محمد نقوش مرتبہ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، ص ۱۸۲۔
۳۴۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، عصری ادب نمبر، شمارہ ۱۲۹، ستمبر ۱۹۸۲ء، ص ۸۔
۳۵۔ گیان چند، ڈاکٹر، نقوش کا ادبی معرکے نمبر، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اول، ص ۵۳۴۔
۳۶۔ گیان چند، ڈاکٹر، نقوش کا ادبی معرکے نمبر، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اول، ص ۵۳۹۔
۳۷۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، ادبی معرکے نمبر، شمارہ ۱۲۷، ستمبر ۱۹۸۱ء، ص ۸۔
۳۸۔ جنرل محمد ضیاء الحق، ادبی معرکے کی تقریب میں، نقوش، عصری ادب نمبر، شمارہ ۱۲۹، ستمبر ۱۹۸۲ء، ص ۱۔
۳۹۔ حفیظ جالندھری، اعتراف، نقوش، عصری ادب نمبر، شمارہ ۱۲۹، ستمبر ۱۹۸۲ء، ص ۸۔
۴۰۔ جسٹس عطاء اللہ سجاد، ادبی معرکے۔ ایک مبسوط تاریخ، نقوش، عصری ادب نمبر، ص ۱۰۔
۴۱۔ اشفاق احمد، عجیب وغریب شخص، ایضاً، ص ۱۲۔
۴۲۔ محمد عثمان، پروفیسر، طفیل صاحب، ایضاً، ص ۱۴۔
۴۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، آج کا حاتم، ایضاً، ص ۱۸۔
۴۴۔ محمد طفیل، تکملہ، نقوش، آپ بیتی نمبر، شمارہ نمبر ۱۰۰، جلد دوم، جون ۱۹۶۴ء، ص ۱۸۵۲۔
۴۵۔ محمد طفیل، تصریحات، نقوش، آپ بیتی نمبر، ص ندارد۔
۴۶۔ محمد طفیل، تصریحات، نقوش، آپ بیتی نمبر، ص ندارد۔
۴۷۔ انور سدید، ڈاکٹر، نقوش کا آپ بیتی نمبر، محمد طفیل کا ایک بے مثل کارنامہ، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اول، ص ۴۸۰، ۴۸۱۔
۴۸۔ انور سدید، ڈاکٹر، نقوش کا آپ بیتی نمبر، محمد طفیل کا ایک بے مثل کارنامہ، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اول، ص ۴۸۸۔
۴۹۔ محمد طفیل، طلوع، نقوش، مکاتیب نمبر، شمارہ ۶۵۔۶۶، نومبر ۱۹۵۷ء، ص ۱۲۔
۵۰۔ محمد طفیل، تصریحات، نقوش، مکاتیب نمبر، ص ۱۳۔
۵۱۔ محمد طفیل، طلوع، نقوش، خطوط نمبر، شمارہ نمبر ۱۰۹، اپریل۔مئی ۱۹۶۸ء، ص ۱۵۔
۵۲۔ عبدالقوی دسنوی، نقوش، مکاتیب وخطوط نمبر، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اول، ص ۴۵۲۔
۵۳۔ عبدالقوی دسنوی، نقوش، مکاتیب وخطوط نمبر، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اول، ص ۴۵۲۔
۵۴۔ محمد طفیل، طلوع، نقوش، شخصیات نمبر، جلد اول، شمارہ ۴۷۔۴۸، جنوری ۱۹۵۵ء، ص ۵۔
۵۵۔ صدیق جاوید، ڈاکٹر، نقوش، شخصیات نمبر، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اول، ص ۴۳۲۔
۵۶۔ محمد طفیل، طلوع، نقوش، شخصیات نمبر، جلد اول، ص ۵۔۶۔
۵۷۔ صدیق جاوید، ڈاکٹر، نقوش شخصیات نمبر، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اول، ص ۴۳۵۔
۵۸۔ صابرہ سعید، ڈاکٹر، اُردو ادب میں خاکہ نگاری، مقالہ پی ایچ۔ڈی، مملوکہ، حیدرآباد دکن یونیورسٹی۔

۵۹۔ صدیق جاوید، ڈاکٹر، نقوش شخصیات نمبر، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اول، ص ۴۳۳۔
۶۰۔ صدیق جاوید، ڈاکٹر، نقوش شخصیات نمبر، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اول، ص ۴۳۶۔
۶۱۔ عبدالحق، مولوی، خط بنام محمد طفیل، مشمولہ محمد نقوش، مرتبہ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، ص ۴۳۸۔
۶۲۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، ایضاً، ص ۴۴۰۔
۶۳۔ امتیاز علی عرشی، مولانا، خط بنام محمد طفیل، ایضاً، ص ۴۴۴۔
۶۴۔ عبدالمجید سالک، مولانا، خط بنام محمد طفیل، ایضاً، ص ۴۴۶۔
۶۵۔ میرزا ادیب، نقوش کا لاہور نمبر، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اول، ص ۴۷۴۔
۶۶۔ علم الدین سالک، مولانا، محمد نقوش، مرتبہ، ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، ۱۹۸۳ء، ص ۲۴۳۔
۶۷۔ محمد طفیل، طلوع، نقوش، میر تقی میر نمبر، شمارہ ۱۲۵، اکتوبر ۱۹۸۰ء، ص ۴۔
۶۸۔ اکبر حیدری کاشمیری، ڈاکٹر، حرفے چند بطور معذرت، نقوش، میر تقی میر نمبر، حصہ اول، ص ۱۰۔
۶۹۔ محمد طفیل، فٹ نوٹ، حرفے چند بطور معذرت، نقوش، میر تقی میر نمبر، حصہ اول، ص ۱۰۔
۷۰۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، میر تقی میر نمبر ۲، شمارہ ۱۲۶، نومبر ۱۹۸۰ء، ص ۶۔
۷۱۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، میر تقی میر نمبر ۲، شمارہ ۱۲۶، نومبر ۱۹۸۰ء، ص ۶۔
۷۲۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، میر تقی میر نمبر ۲، شمارہ ۱۲۶، نومبر ۱۹۸۰ء، ص ۶۔
۷۳۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، غالب نمبر ۱، شمارہ ۱۱۱، اپریل ۱۹۶۹ء، ص ۱۵۔۱۶۔
۷۴۔ معین الرحمٰن، ڈاکٹر سید، نقوش اور مطالعہ غالب، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اول، ص ۴۹۲۔
۷۵۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، غالب نمبر ۲، شمارہ نمبر ۱۱۳، اکتوبر ۱۹۶۹ء، ص ۴۔
۷۶۔ غلام رسول مہر، مولانا، بیاضِ غالب کی دریافت، محمد نقوش، مرتبہ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، ص ۱۴۷۔
۷۷۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، شمارہ نمبر ۱۱۴، جولائی ۱۹۷۰ء، ص ۷۔
۷۸۔ محمد طفیل، التوا، نقوش، غالب نمبر ۳، شمارہ ۱۱۶، ۱۹۷۱ء، ص ۹۔
۷۹۔ معین الرحمٰن، ڈاکٹر سید، نقوش اور مطالعہ غالب، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اول، ص ۵۰۴۔
۸۰۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، انیس نمبر، شمارہ نمبر ۱۲۸، نومبر ۱۹۸۱ء، ص ۶۔
۸۱۔ کسریٰ منہاس، نقوش کا میر انیس نمبر، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اول، ص ۵۴۴۔
۸۲۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، محمد طفیل اور نقوش کے اقبال نمبر، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اول، ص ۱۵۰۔
۸۳۔ محمد طفیل، طلوع، نقوش، اقبال نمبر، شمارہ ۱۲۲، نومبر ۱۹۷۷ء، ص ۷۔
۸۴۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، محمد طفیل اور نقوش کے اقبال نمبر، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اول، ص ۵۱۲۔
۸۵۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، اقبال نمبر ۲، شمارہ ۱۲۳، دسمبر ۱۹۷۷ء، ص ۶۔
۸۶۔ محمد طفیل، طلوع، نقوش، پطرس نمبر، شمارہ ۷۵۔۷۶، ستمبر ۱۹۵۹ء، ص ۷۔

۸۷۔ محمد طفیل، طلوع، نقوش، پطرس نمبر، شمارہ ۵۷۔۶۷، ستمبر ۱۹۵۹ء، ص ۲۰ تا ۲۳۔
۸۸۔ محمد طفیل، طلوع، نقوش، منٹو نمبر، شمارہ ۴۹۔۵۰، ۱۹۵۵ء، ص ۴۔
۸۹۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، منٹو، نقوش اور ہم، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اول، ص ۴۴۷۔
۹۰۔ محمد طفیل، طلوع، شوکت (تھانوی) نمبر، شمارہ ۹۹، ستمبر ۱۹۶۳ء، ص ۶۔
۹۱۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد اول، شمارہ نمبر ۱۳۰، دسمبر ۱۹۸۲ء، ص ۸۔
۹۲۔ محمد طفیل، طلوع، نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد دوم، شمارہ نمبر ۱۳۰، دسمبر ۱۹۸۲ء، ص ۹۔
۹۳۔ محمد طفیل، طلوع، نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد سوم، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۳ء، ص ۵۔
۹۴۔ محمد طفیل، طلوع، نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد چہارم، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۳ء، ص ۹۔
۹۵۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد پنجم، شمارہ نمبر ۱۳۰، دسمبر ۱۹۸۳ء، ص ۱۰۔
۹۶۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد نہم، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۴ء، ص ۶۔
۹۷۔ محمد طفیل، عجز و تشکر، نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد دہم، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۴ء، ص ۵۶۷۔
۹۸۔ محمد طفیل، طلوع، نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد یازدہم، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۵ء، ص ۷۔
۹۹۔ مالک رام، محمد طفیل ہفت روزہ 'ہماری زبان' دہلی، طفیل نمبر، ۸ مارچ ۱۹۸۷ء، ص ۱۔
۱۰۰۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد سیزدہم، جنوری ۱۹۸۵ء، ص ۸۔
۱۰۱۔ اسد اللہ غالب، نقوش کا رسول ﷺ نمبر، محمد نقوش، مرتبہ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، ص ۴۶۰۔۴۶۲۔
۱۰۲۔ محمد یوسف گورایہ، ڈاکٹر، نقوش کا رسول ﷺ نمبر، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اول، ص ۵۵۴۔۵۵۵۔
۱۰۳۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد پنجم، شمارہ نمبر ۱۳۰، دسمبر ۱۹۸۳ء، ص ۱۰۔
۱۰۴۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد ششم، شمارہ نمبر ۱۳۰، دسمبر ۱۹۸۳ء، ص ۱۲۔
۱۰۵۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد ہفتم، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۴ء، ص ۸۔
۱۰۶۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد ہشتم، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۴ء، ص ۱۰۔
۱۰۷۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد ہشتم، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۴ء، ص ۱۰۔
۱۰۸۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد دہم، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۴ء، ص ۸۔
۱۰۹۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد دہم، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۴ء، ص ۸۔
۱۱۰۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد یازدہم، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۵ء، ص ۸۔
۱۱۱۔ محمد یوسف گورایہ، ڈاکٹر، نقوش کا رسول ﷺ نمبر، نقوش، محمد طفیل نمبر، جلد اوّل، ص ۵۵۵۔
۱۱۲۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد دوازدہم، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۵ء، ص ۶۔
۱۱۳۔ محمد نقوش، اس شمارے میں، نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد سیزدہم، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۵ء، ص ۸۔
۱۱۴۔ وقار عظیم، سید، نقوش اور طفیل، نقوش، شمارہ نمبر ۱۱۰، نومبر ۱۹۶۸ء، ص ۱۲۔

کتابیات

۱۔ انور سدید، ڈاکٹر: ''پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ''، اسلام آباد، اکادمی ادبیات، ۱۹۹۲ء۔
۲۔ معین الرحمٰن، سیّد، ڈاکٹر: محمد نقوش، ملتان، کاروانِ ادب، ۱۹۸۳ء۔

ادبی رسائل

۱۔ ہفت روزہ ''ہماری زبان''، طفیل نمبر، دہلی، ۸، مارچ ۱۹۸۷ء۔
۲۔ مجلّہ ''نقوش'' لاہور کے تمام شمارے۔

O <------> O